دعوتِ حق کے تقاضے

راہِ حق میں ایک داعی کی صفات و معمولات کا رہنما تذکرہ



فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن احمد المسعود حفظہ اللہ

ترجمہ الشیخ مولانا محمد یونس بٹ

دعوتِ حق کے تقاضے

راہِ حق میں ایک داعی کی صفات و معمولات کا رہنما تذکرہ



© مكتبة دار السلام ١٤٢٧ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
المسعود، عبدالعزيز بن احمد
مقتضيات الدعوة / عبدالعزيز بن احمد المسعود - الرياض، ١٤٢٧ هـ
ص: ١٨٠ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ×-٢-٩٨٢٢-٩٩٦٠
١-الدعوة الاسلامية أ-العنوان
ديوي ٢١٣ ١٤٢٧/٥٦١٧
رقم الإيداع: ١٤٢٧/٥٦١٧
ردمك: ×-٢-٩٨٢٢-٩٩٦٠

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

● طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
● مدینہ منورہ موبائل: 503417155 00966 فیکس: 8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328
● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 ● ینبع البحر موبائل: 0500887341

شارجہ فون: 5632623 6 00971
امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 ❷ نیویارک فون: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 ❸ موں مارکیٹ اقبال ٹاؤن، لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937 Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

دعوتِ حق کے تقاضے

راہِ حق میں ایک داعی کی صفات و معمولات کا رہنما تذکرہ

تحقیق و تخریج سے مزین نیا ایڈیشن



فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن احمد المسعود حفظہ اللہ

ترجمہ، الشیخ مولانا محمد یونس بٹ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک





نامِ کتاب : دعوتِ حق کے تقاضے

مصنّف : فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن احمد المسعود

منتظمِ اعلیٰ : عبدالمالک مجاہد

مجلسِ انتظامیہ : حافظ عبدالعظیم اسد (منیجر دارُالسّلام لاہور) محمد طارق شاھد

مجلسِ مشاورت : حافظ صلاح الدین یوسف ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر پروفیسر محمد یحییٰ مولانا محمد عبدالجبار

ڈیزائننگ اینڈ السٹریشن : زاھد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

خطّاطی : اکرام الحق

طباعت اوّل : 2007

مضامین

باب:1

اخلاص

باب:2

اصلاح نفس



باب: 3

علم و ورع

باب: 4

نرمی، بردباری اور درگزر

باب:5

طبیعت میں اعتدال

باب:6

صبر

باب:7

حسنِ اخلاق اور غصے سے دوری



باب: 8

عیب بینی کی بجائے عیب پوشی کرنا



اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا خوب مہربان ہے



عرض ناشر

پیش نظر کتاب ''دعوت حق کے تقاضے اور داعی کی صفات'' دراصل ایک ممتاز عربی عالم عبدالعزیز بن احمد المسعود کی کتاب "صفات الآمر بالمعروف والناهی عن المنکر" کا سلیس اور شگفتہ اُردو ترجمہ ہے۔ قرآن مجید میں دعوت حق کی نوعیت اور داعیان حق کی صفات بہت تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ اور رسول اکرم ﷺ کی تمام تر حیاتِ مقدسہ ایک داعیٔ حق ہی کی سیرتِ عظمیٰ ہے۔

دعوت حق تمام انبیاء ورسل کا اصلی فرض اور مستقل شعار رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے بعد ختم نبوت کے باعث اب یہ فرض امت مسلمہ کے علماء اور داعیانِ حق کے سپرد ہے کہ وہ پوری انسانیت کو معروف کا عامل بننے اور منکرات سے بچنے کا راستہ دکھائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ﴾

''تم (دنیا میں) بہترین امت ہو جسے انسانی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدانِ (عمل) میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔''[1]

فاضل مصنف نے داعیان حق کی صفات نہایت حسن ترتیب سے پیش کی ہیں:

- پہلے باب میں ''اخلاص'' اور تعلق مع اللہ پر زور دیا گیا ہے۔
- دوسرے باب میں اصلاح نفس کے طریقوں اور ذرائع سے بحث کی گئی ہے۔

---

[1] آل عمران 110:3

عرضِ ناشر

- تیسرے باب میں داعی کے لیے علم نافع اور زہد وورع کی ضرورت اُجاگر کی گئی ہے۔
- چوتھے اور پانچویں باب میں داعی کو اپنی شخصیت میں نرمی، بردباری معاملہ فہمی، عفو و درگزر اور ثابت قدمی کے اوصاف پیدا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔
- چھٹے اور ساتویں باب میں صبر کی نوعیت، کیفیت اور اخلاقِ حسنہ پر بحث ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک داعی الی اللہ کا سب سے بڑا ہتھیار صرف صبر اور حسنِ عمل ہی ہے۔
- آخری باب میں زور دیا گیا ہے کہ داعیانِ حق کو اپنے مخاطب کی ذات میں عیوب کی تلاش سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یوں اس مختصر مگر جامع تالیف میں داعیانِ حق کی صفات کی کامل وضاحت ملتی ہے۔

دارالسلام بذاتِ خود دینِ حق کا داعی ہے۔ اس کی تالیفی اور تصنیفی کاوشوں کا مقصود ہی دعوتِ حق کو اجالنا، نکھارنا ہے۔ اسی بنا پر عالم عرب میں شائع ہونے والی بہترین دینی اور تربیتی تحریروں کے تراجم اُردو خواں دنیا کے استفادے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

پیش نظر تالیف کا جدید ایڈیشن قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس کا ترجمہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے ممتاز استاد مولانا محمد یونس بٹ حفظہ اللہ نے کیا ہے۔ کتاب کی مسودہ خوانی اور حتمی تصحیح و ترتیب کا کام مولانا محمد عثمان منیب، مولانا منیر احمد رسولپوری اور جناب احمد کامران نے انجام دیا ہے۔ اس کے فنی مراحل ڈیزائننگ اور کمپوزنگ وغیرہ میں جناب زاہد سلیم چودھری، محمد عامر رضوان، ہارون الرشید اور ابومصعب نے اسے خوب سے خوب تر بنانے میں بھرپور محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو عامۃ المسلمین کے لیے نافع بنائے۔ آمین یارب العالمین!

خادم کتاب وسُنّت
عبدالمالک مجاہد
دارالسلام، ریاض، سعودی عرب



مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ للهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَن يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ نَبِيَّنَا وَقَائِدَنَا وَإِمَامَنَا مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا . أَمَّا بَعْدُ!

معزز قارئین کرام! یہ کتاب "صفات الآمر بالمعروف والناهي عن المنكر" اچھے کاموں کا حکم دینے اور برے کاموں سے روکنے والی شخصیت کے اوصاف کے بارے میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اوصاف فائدہ مند ہوں گے۔ میں نے یہ کتاب عام مسلمانوں کے لیے لکھی ہے کیونکہ اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا یہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ شرعی نصوص بھی اسی طرح وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾

"تم (دنیا میں) بہترین امت ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدانِ (عمل) میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"①

① آل عمران 110:3

مقدمہ

اچھے کاموں کا حکم دینے والوں اور برے کاموں سے روکنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ٱلتَّٰٓئِبُونَ ٱلْعَٰبِدُونَ ٱلْحَٰمِدُونَ ٱلسَّٰٓئِحُونَ ٱلرَّٰكِعُونَ ٱلسَّٰجِدُونَ ٱلْءَامِرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱلنَّاهُونَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱلْحَٰفِظُونَ لِحُدُودِ ٱللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾﴾

''(وہ) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں آپ ایسے مومنین کو خوشخبری سنا دیں۔''[1]

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنْ رَّأَى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»

''جو شخص تم میں سے برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے ختم کرنے کی کوشش کرے، اگر ہاتھ سے برائی نہ روک سکے تو اسے زبان سے روکنے کی کوشش کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس برائی کو برا ضرور جانے اور یہ ایمان کی سب سے کمزور حالت ہے۔''[2]

اچھے کاموں کا حکم دینے اور برے کام سے روکنے والوں کے اوصاف جاننا اور ان کو اپنانا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے اور یہ چیز ان لوگوں کے لیے اور زیادہ ضروری ہو

---

① التوبہ 112:9

② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث: 49



جاتی ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی امانت کی ذمہ داری اٹھا لیتے ہیں اور اس جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ کیا ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾﴾

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔''[1]

جس شخص کا یہی نصب العین اور یہی ذمہ داری ہو، اس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے کیونکہ میں نے اس میں بہت سے ایسے اوصاف شامل کر دیے ہیں جن سے آراستہ ہونا ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو اچھے کاموں کا حکم دینے اور برے کاموں سے روکنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ کتاب اپنے قارئین کرام کو اس مثالی راستے پر پہنچا دے گی جس پر چل کر وہ بحفاظت اپنے مقصد کو پالیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ انھیں لوگوں کی محبت بھی حاصل ہو گی اور وہ راہ راست پر چل نکلیں گے۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے داعی کی تمام یا اکثر صفات اس کتاب میں پیش کر دی ہیں، بلکہ میں نے تو صرف اپنی طاقت کے مطابق یہ کوشش کی ہے کہ اہم اور ضروری صفات کا تذکرہ کر دوں۔ میں ہر اس بھائی کا ممنون ہوں گا جو اس کتاب کے بارے میں میری کسی قسم کی رہنمائی فرمائے گا، تاکہ دوسری اشاعت میں اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس

---

① آل عمران 104:3

کتاب کو فیض رساں اور اس کام کو اپنی ذات کریم کے لیے خالص بنائے۔ اَنَّهٗ وَلِیُّ ذٰلِكَ الْقَادِرُ عَلَيْهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

المؤلف

عبدالعزیز بن احمد المسعود

باب 1:



اخلاص

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا عمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرے تاکہ اسے اس عمل کا اجر وثواب حاصل ہو اور وہ عمل شرفِ قبولیت حاصل کر سکے۔ اخلاص قرآن کی روشنی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُواْ ٱلزَّكَوٰةَۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلۡقَيِّمَةِ ۝٥﴾

''ان کو صرف اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں، نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں۔ اور یہی صحیح دین ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلۡ إِنِّيٓ أُمِرۡتُ أَنۡ أَعۡبُدَ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝١١ وَأُمِرۡتُ لِأَنۡ أَكُونَ أَوَّلَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ۝١٢ قُلۡ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ ۝١٣ قُلِ ٱللَّهَ أَعۡبُدُ مُخۡلِصٗا لَّهُۥ دِينِي ۝١٤﴾

''آپ فرما دیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کروں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا اطاعت گزار بن

[1] البیّنة 5:98



جاؤں۔ آپ فرما دیں کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا ڈر ہے۔ آپ فرما دیں کہ میں صرف اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔''①

امام طبری اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اے محمد ﷺ)! اپنی قوم کے مشرکین سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو میں ان سب کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کا مطیع ہو کر اس کی عبادت کروں، اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سب سے پہلا اطاعت کرنے والا بن جاؤں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں ایسا کر کے تم سب سے پہلے اسلام لانے والا بن جاؤں اور توحید کے ساتھ اس کی اطاعت کروں، اس کے لیے عبادت کو خالص کروں اور اس کے سوا تمام معبودوں سے براءت کا اظہار کروں۔ نیز امام طبری رحمہ اللہ ﴿قُلِ اللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي ﴿١٤﴾ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ﴾② کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اپنی قوم کے مشرکین سے کہہ دیجیے کہ میں اپنی اطاعت و عبادت کو صرف ایک اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی بندگی کرتا ہوں۔ ان امور میں اس کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا بلکہ الوہیت کے ساتھ اس کے منفرد ہونے کا اور اس کے سوا دیگر معبودوں سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔''③

---

① الزمر 39:11-14

② الزمر :39/14,15

③ جامع البیان فی تفسیر القرآن لابن جریر الطبری: 23/130-131

سید قطب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کی طرف سے یہ اعلان کہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، صرف اسی کے لیے دین کو خالص کرلیں، اللہ کے سب سے پہلے اطاعت گزار بن جائیں اور اپنے رب کی معصیت کی صورت میں اس عظیم دن کے عذاب سے خوف کھائیں۔ یہ اعلان عقیدۂ توحید کو جیسا کہ اسلام نے پیش کیا ہے، شفاف رکھنے کے لیے بہت زیادہ قدر و قیمت کا حامل ہے۔ نبی کریم ﷺ اللہ کی بندگی بجالانے والے ہیں، بندگی ہی آپ کا عظیم مقام و مرتبہ ہے، عبادت کے وقت سب عبادت گزار ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات تمام عبادت گزاروں سے بلند، یکتا اور منفرد ہوتی ہے۔ یہی اس آیت کا مقصود ہے۔ اس سے الوہیت اور عبودیت کے معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ دونوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے، الوہیت عبودیت سے جدا ہو جاتی ہے، ایک کا دوسرے سے اشتباہ ختم ہو جاتا ہے اور بغیر شراکت و شباہت کے وحدانیت کی صفت ایک اللہ کے لیے خاص ہو جاتی ہے۔ اور جب حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے مقام پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ معصیت سے خوفزدہ بھی ہیں، تو پھر کس طرح اس دعوے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یا اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ فرشتوں یا بتوں کی عبادت کرنے سے ان کی شفاعت حاصل ہوگی؟ ایک مرتبہ پھر آپ اسی اسلوب پر برقرار رہتے ہوئے اپنے اعلان کو دہرا رہے ہیں اور مشرکین کو ان کے اسلوب اور اس کے دردناک انجام کو چھوڑنے کی ترغیب دے رہے ہیں ﴿قُلِ اللّٰهَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّهٗ دِيۡنِىۡ﴾ ''کہ میں تو اپنے ہی اسلوب پر چلوں گا عبادت بھی اللہ کے لیے خاص کروں گا اور دین بھی اسی کے لیے خالص کروں گا۔''[1]

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

---

[1] تفسیر فی ظلال القرآن، سید قطب 5/344



﴿وَهُوَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُۥ عَلَى ٱلْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

''وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تمھارا امتحان لے کہ تم میں زیادہ اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟''①

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى ٱلْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧﴾

''جو کچھ زمین پر ہے اسے ہم نے اس (زمین) کے لیے باعث زینت بنایا تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔''②

اور اللہ جل شانہ کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝٣٠﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے تو ہم اچھے عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''③

اور یہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفُورُ ۝٢﴾

''جس نے موت اور زندگی کی تخلیق کی تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہ غالب ہے، معاف کرنے والا ہے۔''④

① ھود 7:11 ② الکھف 7:17

③ الکھف 30:17 ④ الملك 2:67

پہلا وصف: اخلاص

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں یہ نہیں کہا کہ وہ تمھیں آزمانا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ بلکہ یہ کہا کہ کون زیادہ اچھے اعمال کرنے والا ہے۔ سب سے اچھا عمل وہی ہوگا جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ جیسا کہ کئی ایک علماء نے کہا ہے: [1]

فضیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اَحْسَنُ عَمَلًا سے مراد ایسا عمل ہے جو سب سے زیادہ خالص اور سب سے زیادہ درست ہو۔ اگر عمل میں خلوص ہو لیکن وہ عمل درست نہ ہو تو وہ قبول نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر عمل درست ہو لیکن اس میں خلوص نہ ہو تو وہ بھی قبول نہ ہوگا۔ عمل تب ہی قبول ہو گا جب وہ خالص بھی ہو اور درست بھی۔ [2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِۦ نُوحًا﴾

''اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا۔'' [3]

ابو العالیہ رحمہ اللہ اس فرمان کے بارے میں کہتے ہیں: اس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی عبادت میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔ [4]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَـٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿١١٠﴾﴾

''جسے اپنے رب سے ملاقات کا یقین ہے، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 396/4

[2] جامع العلوم والحکم: 72/1

[3] الشوریٰ 13:42

[4] فتح الباری: 14/1



رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔"[1]

امام نسفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ایسا عمل جو خالص اس کے رب کے لیے ہو کسی اور کی اس میں آمیزش نہ ہو۔[2]

جسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار کا پختہ یقین ہو اسے اللہ کے لیے خالص اور پاکیزہ کام کرنے چاہییں تاکہ اس کا یقین حقیقت کی شکل اختیار کر جائے۔[3]

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، فَمَنْ عَمِلَ لِي عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ غَيْرِي، فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ وَّهُوَ لِلَّذِي أَشْرَكَ»

"میں تمام شریکوں کی نسبت ہر قسم کے شرک سے بہت زیادہ بے زار ہوں۔ جس نے کسی عمل میں میرے سوا کسی اور کو شریک کیا تو میں اس سے بری ہوں وہ عمل اسی کے لیے ہوگا جس کو اس نے شریک کیا تھا۔"[4]

اخلاص احادیث اور اقوال سلف کی روشنی میں

ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي، تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»

---

① الکهف 110:18

② تفسیر النسفی:27/3

③ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر أضواء البیان للشنقیطی:4/200-202

④ سنن ابن ماجه، الزهد، باب الریاء والسمعة، حدیث:4202

''میں تمام شریکوں کی نسبت ہر قسم کے شرک سے بہت بے زار ہوں۔ جس نے کسی عمل میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا میں اسے اور اس کے شرکیہ عمل کو رد کر دیتا ہوں۔''[1]

جب کوئی آدمی اپنے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے علاوہ کسی اور ذات کا بھی قصد کرتا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا لیا ہے اور جب معاملہ ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ مطلق طور پر ان سے بے پروا ہے۔ یہ شریک ہی نہیں بلکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر لحاظ سے محتاج ہے۔ یہ اس کے عالی مرتبت استغنائے کامل کے منافی ہے کہ وہ ایسا عمل قبول کرے جس میں کسی کو اس کا شریک بنایا گیا ہو بلکہ اس کے بے مثل اوصاف کا تقاضا ہے کہ وہ ایسے اعمال کو رد کر دے۔[2]

اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات مروی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر اس عمل سے بے پروا ہے جس میں ریا کاری یا شرک ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور عیب سے پاک عمل ہی قبول کرتا ہے۔ صحیحین اور سنن وغیرہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ»

---

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب تحريم الرياء، حديث: 2985

[2] تيسير العزيز الحميد، شرح كتاب التوحيد، للشيخ سليمان بن عبدالله بن محمد بن عبد الوهاب، ص: 527



''اعمال کا انحصار صرف اور صرف نیتوں پر ہے۔ ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت واقعتاً اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ جس نے دنیا کو حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی غرض کے لیے ہوگی جس غرض کے لیے اس نے ہجرت کی ہے۔''[1]

یہ ایک عظیم حدیث ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ عبادت کے اعمال واقوال کا انحصار اخلاص پر ہے۔ جب انسان کسی بھی عمل میں اپنی نیت کو درست کرے، اسے خوشنما بنا لے اور وہ عمل اللہ تعالیٰ اور آخرت کے قصد سے ہو تو اسے اس عمل پر یقیناً بہترین اجر ملے گا۔ اسی بنا پر علماء نے اس حدیث کو اسلام کا ایک تہائی حصہ شمار کیا ہے۔ بعض نے اسے ایک چوتھائی بھی کہا ہے۔[2]

کیونکہ یہ حدیث عظیم اہداف کی حامل ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر عمل نیت کے مطابق ہے اور نیت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے۔[3]

ایک قول یہ بھی ہے کہ شرعی طور پر جن کو مکلّف بنایا گیا ہے، ان کے اعمال بغیر نیت کے نہ درست ہوتے ہیں، نہ کوئی ان کا وجود ہوتا ہے۔ انسان پر تو صرف یہی واجب ہے کہ وہ زندگی میں اصلاح کے لیے کوشش و عمل کرے۔ اس کا ہدف و مقصد صرف ذات باری تعالیٰ ہونا چاہیے۔ پھر ہر اس بول پر اسے ثواب ملے گا جو وہ زبان سے ادا کرے گا اور ہر حرکت پر اجر ملے گا جو اس سے سرزد ہوگی۔ بعض احادیث مطہرہ اس مفہوم کو واضح کرتی ہیں کہ اخلاص

---

① صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله...... حديث : 1 و صحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: "إنما الأعمال بالنية......" حديث : 1907

② فتح الباري : 14/1

③ فتح الباري : 16/1

کی موجودگی میں عمل مقبول ہوگا اور اس کی غیر موجودگی میں مردود۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ، رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعْمَتَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُّ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُّقَالَ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأُتِيَ بِهِ، فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ: عَالِمٌ، وَّقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ: هُوَ قَارِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ وَّسَّعَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأُتِيَ بِهِ، فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُّنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ: هُوَ جَوَادٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ، ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ»

''قیامت کے دن سب سے پہلے اس شخص کا فیصلہ کیا جائے گا جو شہید ہوا تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ ان نعمتوں کی موجودگی میں تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیری خاطر لڑائی کی یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اللہ



تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا ہے، تو نے تو اس لیے لڑائی کی تھی کہ تجھے بہادر کہا جائے، تو یہ کہا جا چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم فرمائے گا تو اسے چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں گرا دیا جائے گا۔ اور ایک وہ شخص جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا، اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ ان کا اعتراف کرے گا تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ ان نعمتوں کی موجودگی میں تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم سیکھا اور اسے سکھایا اور تیری خاطر میں نے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا ہے، تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور اس لیے قرآن پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، تو یہ کہا جا چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم فرمائے گا، تو اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں گرا دیا جائے گا۔ اور پھر ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے فراوانی اور ہر قسم کا مال عطا کیا تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ ان کا اعتراف کرے گا تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے ان نعمتوں کے صلے میں کیا کام کیا؟ وہ جواب دے گا کہ ہر وہ جگہ جہاں خرچ کرنا تجھے پسند تھا، میں نے وہاں تیرے لیے خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو یہ اس لیے کیا تھا کہ تجھے سخی کہا جائے، سو یہ کہا جا چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم فرمائے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں گرا دیا جائے گا۔'' [1]

اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے انھیں ان کے اعمال نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ اس کے برعکس ان کے اعمال نے ان کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اس لیے امر بالمعروف اور

---

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، حدیث: 1905

نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نمود و نمائش، شہرت اور ان جیسے دوسرے خصائل سے بچے جو نیک اعمال کو ضائع کرتے اور شخصیت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ بِالْمَدِينَةِ لَرِجَالاً مَّا سِرْتُمْ مَّسِيرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا، إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ، حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ»

''مدینہ منورہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جنھیں بیماری نے روک رکھا ہے (اس لیے وہ جہاد میں عملاً شریک نہیں ہو سکے،) لیکن جس قدر مسافت تم طے کرتے ہو اور جس وادی کو تم عبور کرتے ہو (اجر وثواب کے حصول میں) وہ بھی تمھارے ساتھ ہوتے ہیں۔''[1]

اپنی نیتوں کی درستی اور انھیں اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لینے کی وجہ سے ان لوگوں کے (نامۂ اعمال) میں اس قدر (اجر وثواب) لکھ دیا گیا جس قدر (اجر وثواب) ان کے ان بھائیوں کے نامۂ اعمال میں لکھا گیا تھا جو عملاً اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَعُوذُ عَائِذٌ بِالْبَيْتِ فَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ، فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ خُسِفَ بِهِمْ، فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! فَكَيْفَ بِمَنْ كَانَ كَارِهًا؟ قَالَ: يُخْسَفُ بِهِ مَعَهُمْ، وَلٰكِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى نِيَّتِهِ»

''ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں پناہ لے گا، تو (اس کے مقابلے کے لیے) اس کی

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب ثواب من حبسه عن الغزو مرض أو عذر آخر، حدیث: 1911



طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا، جب یہ لشکر مقام بیداء میں پہنچے گا تو اُسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ تو میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اس شخص کے ساتھ کیا سلوک ہو گا جو مجبوراً اس لشکر میں شامل ہوا''؟ تو آپ نے فرمایا: ''اسے بھی اسی لشکر کے ساتھ دھنسا دیا جائے گا لیکن قیامت کے دن اسے اس کی نیت کے لحاظ سے اٹھایا جائے گا۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت درست ہو گی تو یہ قیامت کے دن اس کی نجات کا باعث بن جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُّسَمِّعْ يُسَمِّعِ اللّٰهُ بِهٖ، وَمَنْ يُّرَاءِ يُرَاءِ اللّٰهُ بِهٖ»

''جس نے شہرت چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کی (بداعمالیوں کی) تشہیر کر دے گا۔ اور جس نے ریاکاری کی تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب سب پر عیاں کر دے گا۔''[2]

اخلاص ہی اعمال کی قبولیت اور انسان کی نجات کا ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ نجات کس چیز میں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَّا تَعْمَلَ بِمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ تُرِيدُ النَّاسَ»

''جس چیز کا تجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو وہ کام لوگوں (کی خوشنودی) کے لیے نہ کرے۔''[3]

---

[1] صحیح مسلم، الفتن، باب الخسف بالجیش الذی یؤم البیت، حدیث :2882

[2] صحیح مسلم، الزهد، باب تحریم الریاء، حدیث:2987, و جامع الترمذی، الزهد، باب ماجاء فی الریاء والسمعة، حدیث،2381

[3] لم نجده

پہلا وصف: اخلاص

کتاب ''الرعایة لحقوق اللہ'' کے مؤلف لکھتے ہیں کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کسی آدمی کے سمجھدار ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ شیطانی ترغیبات کو جان لے''۔ یعنی اسے معلوم ہو کہ وہ کیسے اور کہاں سے آتی ہیں۔ اور ان کی یہ بات فی الواقع بالکل سچ ہے۔ جب کسی انسان کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتا ہے جو صرف اسی کی خاطر ہوں، کسی مخلوق کے لیے نہ ہوں۔ اور وہ سمجھ لے کہ اس کا نفس اور اس کا دشمن (شیطان) دونوں اسے ایسے کاموں کی طرف بلاتے ہیں جو اس کے نیک اعمال کو ضائع کر دیں گے تو وہ بچ جاتا ہے اور علم سے رہنمائی حاصل کر لیتا ہے۔ اور جب اس کے پاس کوئی ترغیب آتی ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ از راہِ ریاکاری ہے یا کسی اور جانب سے ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انسان ہمیشہ خیر و عافیت سے رہتا ہے جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی چیز اس کے اعمال کو برباد کرنے والی ہے۔ ریاکاری اور اس جیسی دوسری چیزیں جن سے بچنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے انھیں جاننا ہر انسان کے لیے از حد ضروری ہے۔[1]

بلاشبہ امر بالمعروف کا فریضہ انجام دینے والا اگر اس پہلو سے چوکنا نہیں ہو گا تو اسے شدید خطرات کا سامنا ہو گا، کیونکہ شیطان اس کی کوششوں کو رائیگاں کرنے کا حریص ہے۔ امر و نہی کے کام میں اس کا مخالف کبھی اس کو عہدہ پرستی اور کبھی دنیاوی ساز و سامان کی ترغیب دے گا جس بنا پر یہ حرام کا مرتکب ہو کر ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيۡهِمۡ أَعۡمَٰلَهُمۡ فِيهَا وَهُمۡ فِيهَا لَا يُبۡخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُواْ فِيهَا وَبَٰطِلٞ مَّا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ﴿١٦﴾﴾

---

[1] الرعایة لحقوق اللہ، للمحاسبی۔ تحقیق عبدالقادر أحمد عطاء، : 160

”جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہیں ہم دنیا ہی میں انھیں ان کے اعمال کی پوری جزا دے دیتے ہیں، دنیا میں انھیں نقصان میں نہیں رکھا جاتا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کی آگ کے اور کچھ نہیں ہے، انھوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ ضائع ہو گیا، یہ لوگ باطل عمل ہی کرتے رہے۔“ ①

اعمال فرضی عبادات کے ہوں یا نفلی عبادات کے ان سے محض دنیا کے حصول کا مقصد ان اعمال کو ضائع کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں سے مراد ریاکار ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”جو شخص اپنے اعمال کے بدلے میں دنیاوی اجر چاہتا ہے، اسے اس کا اجر جلد دے دیا جاتا ہے۔ دنیا میں اسے کسی چیز کی کمی نہیں رہتی، لیکن آخرت میں اسے سزا ملے گی، کیونکہ اس نے نیت صرف دنیا کے لیے کی تھی۔“ ②

لیکن اگر وہ اپنے اعمال خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے اور امر و نہی کے کام سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو تو وہ ان لوگوں میں داخل ہو گا جن کے دلوں کے خلوص کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ کیا ہے، اور اسی خوبی کی بنا پر ان کی تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا ۝ ﴾

”ہم تمھیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کھانا کھلا رہے ہیں، نہ ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں، نہ یہ کہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو۔“ ③

---

① ھود 11:15-16

② الجامع لأحكام القرآن للقرطبی : 11/9

③ الدھر 76:9

نحوی ترکیب کے لحاظ سے یہ جملہ یُطْعِمُوْنَ کے فاعل سے حال بن رہا ہے کہ وہ لوگ زبان حال سے یہ جملہ کہتے ہوئے کھانا کھلاتے ہیں، کیونکہ ان پر اخلاص کی علامات عیاں ہوتی ہیں۔ مشہور مفسر امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ان لوگوں نے یہ جملہ زبان سے ادا نہیں کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے (ان کی دلی کیفیت سے) معلوم کر لیا، اس بنا پر ان کی تعریف کی تاکہ لوگوں میں اس کا شوق پیدا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ زبان سے یہ کلمات ادا کرتے ہوں تاکہ احسان جتلانے کا شائبہ بھی نہ ہو جس سے صدقات کا اجر ضائع ہو جاتا ہے، اور بدلہ نہ لینے کی وضاحت ہو جائے جو اجر میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ آیت کا یہ حصہ ﴿لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُورًا﴾ پہلے جملے کی تاکید واثبات ہے۔''[1]

کتاب ''الرعایة لحقوق اللہ'' کے مؤلف لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا اس لیے تذکرہ کیا تاکہ دوسروں کو اس کا شوق پیدا ہو۔ ان لوگوں نے جب اپنے دلوں سے مخلوق کی تعریف یا کسی اور صلے کی تمنا نکال دی تو اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور راضی ہو گیا۔''[2]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں سے کسی صلے کی خواہش نہ رکھے، جن لوگوں کو وہ دین کی دعوت دے رہا ہے۔ ذاتی کام کی نہ مالی فائدے کی اور نہ وہ یہ چاہے کہ لوگ اس خیر خواہی کے بدلے میں اس کا شکریہ ادا کریں۔ اس کا مقصد صرف وہی ہونا چاہیے جو انبیاء علیہم السلام کا تھا کہ اپنی دعوت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے اجر لینے کے سوا کچھ نہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرماتا ہے جب کہ وہ

---

[1] روح المعاني، تفسير سورة الدهر، آيت : 9

[2] الرعاية لحقوق الله، للمحاسبي، ص : 162



اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی دعوت کا مقصد بیان کررہے تھے:

﴿وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿١٠٩﴾﴾

''میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا:

﴿وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿١٢٧﴾﴾

''میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ میرا ثواب تو تمام جہان کے رب کے پاس ہی ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق حضرت ہود علیہ السلام نے یہ بھی کہا:

﴿يَـٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى ٱلَّذِى فَطَرَنِىٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾﴾

''اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں چاہتا۔ میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''[3]

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنا اجر اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا:

﴿وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿١٤٥﴾﴾

''میں تم سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ میری اجرت تو بس پروردگار عالم ہی پر ہے۔''[4]

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

---

① الشعراء 109:26 ② الشعراء 127:26

③ هود 51:11 ④ الشعراء 145:26

﴿وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿١٦٤﴾﴾

''میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔''[1]

اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام امرونہی کے کام سے سوائے رضائے الٰہی کے کچھ نہیں چاہتے تھے۔ یہی وصف امر و نہی کا کام کرنے والے ہر شخص میں ہونا چاہیے۔ اگر ہم اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ اس چیز کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، اگر ان میں سے کوئی تقوی اور بھلائی کے بلند مقام تک پہنچ جاتا تو پھر بھی اسے اپنے بارے میں یہ خوف رہتا کہ محض اس خواہش پر کہ لوگ میرے نیک اعمال کی تعریف کریں، کہیں میری عبادت غیر اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔ سلیمان کرخی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے آپ کو مارا کرتے تھے اور کہا کرتے، اے نفس! اللہ کے لیے خالص ہو جا، یعنی ریاکاری نہ کر نجات پا جائے گا۔ اور ابو سلیمان کہتے ہیں کہ اس شخص کو مبارک ہو جس کا ایک قدم خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صحیح سمت اٹھا ہو۔ سہل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کون سی چیز نفس پر زیادہ گراں گزرتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ''اخلاص، کیونکہ اس سے نفس کو کوئی حصہ نہیں ملتا۔''[2]

انسانی اعمال و عبادات بہت ہی کم ان امور سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے کہا گیا ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں ایک لمحہ بھی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صرف کیا وہ نجات پا جائے گا۔ کیونکہ اخلاص کا پیدا کرنا اور دل کو ان آلودگیوں سے بچانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس لیے کہ خالص وہی ہوگا جس کا سبب اللہ تعالیٰ سے تقرب کے سوا کچھ نہ ہو۔[3]

---

[1] الشعراء 26:164

[2] ابن قدامہ نے مختصر منہاج القاصدین، :355/356 میں یہ اقوال نقل کیے ہیں۔

[3] حوالہ مذکور۔ ص 366



لیکن یہ بات مبالغہ آمیز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کسی ایسے مشکل و ناممکن کام کا مطالبہ نہیں کرتا جو کام صرف ایک ہی مرتبہ قابل قبول انداز میں کیا جا سکے۔ ہو سکتا ہے کہ ابن قدامہ کا مقصد یہ وضاحت کرنا ہو کہ نفس کے لیے اخلاص پیدا کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس بات میں ہم ان سے اتفاق کر سکتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اخلاص ہی اس کے امر و نہی کی بنیاد ہے۔ اسی سے امر و نہی کا کام درست ہو گا اور اخلاص نہ ہونے سے ناکام ہو گا۔ ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں، وہی ڈگمگاتا ہے جو مخلص نہیں ہوتا۔[1]

امام حسن البنا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بے شک اخلاص ہی کامیابی کی اساس ہے، تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور تمھارے ذی وقار بزرگوں نے کامیابی صرف اپنی قوت ایمانی، روحانی پاکیزگی، تزکیۂ نفس اور اخلاص قلب کے ساتھ حاصل کی ہے۔[2]

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے اور جب ہم اس سے ملاقات کریں تو یہ دولت ہمارے پاس موجود ہو۔



---

① صيد الخاطر، ص: 355

② مجلة الدعوة، عدد: 50

باب :2





اصلاحِ نفس

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کی زندگی کے اہم امور میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ عبادات کے ذریعے سے اپنے نفس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو لوگوں کی اصلاح کے لیے تو جستجو کرتے ہیں لیکن خود اپنے آپ کو فراموش کردیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''[1]

اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٣﴾﴾

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔''[2]

---

[1] البقرة 2:44

[2] الصف 61:2-3



اگرچہ علماء کے اقوال میں سے راجح قول یہی ہے کہ انسان جو نیک کام نہ کرتا ہو اس کا حکم دے سکتا ہے اور اس برائی سے بھی منع کر سکتا ہے جس پر خود عمل کرتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾﴾

''جو برائی وہ کرتے تھے اس سے وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے ان کا ایسا کرنا بہت برا کام ہے۔''[1]

لیکن اس سلسلے میں ایک بہت بڑی بات کی طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے اور وہ ہے امر ونہی کا لوگوں کے لیے قابل قبول ہونا اور ان پر اثر انداز ہونا۔ جب حکم دینے والا اپنی ذات کے لحاظ سے نیک سیرت اور درست اخلاق و کردار کا حامل ہو گا تو اس کی بات ضرور مانی جائے گی، اس کی گفتگو سنی جائے گی اور سارے معاشرے پر اس کا اثر ہو گا۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے ہر قسم کے احکامات پر عمل پیرا ہو، خواہ ان کا تعلق فرائض سے ہو یا نوافل سے، اور اسے زاد راہ بناتے ہوئے اس سے اپنے امر ونہی کے کام میں معاونت حاصل کرے۔ اس طرح معاشرے میں وہ ایک ایسی شخصیت بن جائے گا کہ لوگ اس کے نقش قدم پر چلیں گے۔ یہاں میں مختصراً اس عنوان میں چند ایسے امور کی طرف اشارہ کروں گا جو نفس کی اصلاح و تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں معاون چند اہم امور

✵ نماز

اس سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ فرضی نمازوں کی حفاظت کرے، اس کے بغیر تو کوئی چارہ

[1] المائدة 79:5

ہی نہیں بلکہ اس سے مطلوب یہ ہے کہ وہ نماز اور اس کی ادائیگی کے معاملے میں ممتاز اوصاف کا مالک ہو۔ اس طرح کہ وہ ہمیشہ پہلی صف میں ہو، پیچھے رہنے کا عادی نہ ہو، نماز کی ادائیگی میں سنن کا اہتمام کرتا ہو اور مکمل طور پر بغیر کسی نقص کے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز ادا کرتا ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ باقی لوگ اس کی اقتدا کریں گے اور دعوت دین میں یہ چیز اس کی معاون ثابت ہوگی۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی تھی:

﴿يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَٱنۡهَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَٱصۡبِرۡ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ ٱلۡأُمُورِ ﴿١٧﴾﴾

''اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کر، بھلائی کا حکم دے، برائی سے روک اور اس پر جو تکالیف آئیں ان پر صبر کر، یہ کام عزم وہمت کے امور میں سے ہیں۔''[1]

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی: ﴿اَقِمِ الصَّلَاۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کہ اپنے امر ونہی کے کام میں ایک اہم چیز (نماز) سے معاونت حاصل کرے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک نماز کی برکات اس کے شامل حال نہ ہوں گی یہ دعوت کے امور میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ہے اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نوافل اور سنن مؤکدہ مثلاً: وتر، تہجد اور چاشت کی نماز وغیرہ کی حفاظت کرے۔

قیام اللیل

نماز تہجد ایک ایسی عبادت ہے جس کا کسی فرد کے کردار، اس کی دعوت اور اس کے امر ونہی کے کام پر نہایت قوی اثر ہوتا ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

[1] لقمان 17:31



نے اس کی ترغیب دی ہے اور اس وصف سے متصف اہل ایمان کی مدح فرمائی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود رسول کریم ﷺ عملاً اس کا خاص خیال رکھتے تھے اور یہی کیفیت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی۔ قیام اللیل کی اہمیت وفضیلت واضح کرنے کے لیے میں چند آیات اور احادیث ذکر کروں گا کیونکہ یہ پہلو انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِۦ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿٧٩﴾﴾

''رات کے کچھ حصے میں آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں (یہ) آپ کے لیے زائد ہے۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔''[1]

سید قطب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''نماز تہجد اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی تعلق ہی مقام محمود حاصل کرنے کے وسائل ہیں۔ وہ مقام محمود جو نبی کریم ﷺ کے لیے تیار کیا گیا ہے، اس کے حصول کے لیے انھیں نماز، تہجد اور تلاوت قرآن کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ وہ سب سے زیادہ پسندیدہ اور افضل شخصیت ہیں، تو دوسرے لوگوں کو ان وسائل کے اختیار کرنے کی کس قدر زیادہ ضرورت ہو گی تاکہ وہ لوگ اس مقام کو حاصل کرلیں جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ صحیح راستہ یہی ہے اور اس کے لیے زاد راہ بھی یہی ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا

---

[1] بنی إسرائیل 79:17

[2] تفسیر فی ظلال القرآن، لسید قطب :2247/4

رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾

''ان کے پہلو (رات کو) بستروں سے جدا رہتے ہیں۔ وہ خوف و امید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اس آیت میں پہلو کا بستر سے جدا رہنے کا مطلب قیام اللیل ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور اسی میں انسان کی مدح ہے۔ یہی قول مجاہد، اوزاعی، مالک بن انس، حسن بن ابی الحسن اور ابو العالیہ رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے۔ اس مفہوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾﴾

''کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے بدلے میں ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔''[2]

یعنی جس طرح انھوں نے قیام اللیل کو مخفی رکھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے انعام کو بھی مخفی رکھا کہ دل میں اس کا تصور بھی نہیں آ سکتا۔[3]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كَانُوا۟ قَلِيلًا مِّنَ ٱلَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِٱلْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾﴾

''وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے ہیں۔''[4]

یعنی مخلص ایمان والوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ ساری رات یا رات

---

[1] السجدة 16:32 [2] السجدة 17:32

[3] تفسیرالقرطبي 67/14، (تفسیر آیت سورة السجدة رقم: 17)

[4] الذاريات 51: 17-18



کا اکثر حصہ عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں کے خوف اور زیادہ ثواب کی طلب کے باعث سحری کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وہ لوگ تہجد گزار اور انتہائی محنت کرنے والے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے نیک اعمال زیادہ سے زیادہ ہوں اور اخلاص والے ہوں اور وہ اپنی کوتاہی پر استغفار بھی کرتے ہیں۔ باوقار سخی لوگوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ سخاوت کا ہر پہلو اختیار کرتے ہیں، مگر پھر بھی اسے کم سمجھتے ہیں اور اپنی کوتاہی پر معذرت خواہ ہوتے ہیں جبکہ گھٹیا قسم کے لوگ تھوڑا سا مال خرچ کرتے ہیں اور اسے بہت سمجھتے ہیں پھر، اس پر احسان بھی جتلاتے ہیں۔''[1]

قیام اللیل اور اس کا اہتمام کرنے والوں کی فضیلت میں بہت سی آیات ہیں، اس وقت مقصد صرف ان کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اس بارے میں احادیث بھی خاصی تعداد میں مروی ہیں، ہم چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں:

«أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَارَسُولَ اللهِ! وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا؟»

''اللہ کے نبی ﷺ رات کو اس قدر قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں پھٹ جاتے، حضرت عائشہ آپ سے کہتیں، اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کی اگلی اور پچھلی تمام کوتاہیوں سے درگزر کیا جا چکا ہے۔ تو آپ فرماتے: کیا میں

---

[1] الذاریات 18:51، تفسیر الکبیر لفخر الدین الرازی،

(اللہ کا) شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"[1]

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُومُ أَوْ لَيُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ أَوْ سَاقَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ: فَيَقُولُ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟»

"نبی کریم ﷺ قیام کرتے تھے یا (یہ الفاظ کہے کہ) نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں متورم ہو جاتے یا (یہ الفاظ کہے کہ) دونوں پنڈلیاں متورم ہو جاتیں۔ آپ (ﷺ) سے اس بارے میں کہا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا میں (اللہ تعالیٰ کا) شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"[2]

جب نبی کریم ﷺ اس قدر قیام کرتے کہ دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے ان کے پاؤں پھٹ جاتے، حالانکہ ان کی اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں سے درگزر کر دیا گیا تھا تو عام مسلمانوں کو اور خاص طور پر دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کو اس عمل مبارک کی کس قدر ضرورت ہو گی؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شب میں نے ایک خواب دیکھا میں نے اپنا خواب اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سنایا، انھوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا:

«نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُاللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، قَالَ سَالِمٌ: فَكَانَ عَبْدُاللهِ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلاً»

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اچھا آدمی ہے، کاش وہ تہجد پڑھا کرتا۔" سالم (حدیث

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطاً مستقيما﴾ حديث: 4837

[2] صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبي ﷺ الليل، حديث: 1130



کے ایک راوی) کہتے ہیں: ''(اس کے بعد) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام اللیل کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے تزکیہ اور تکمیل اوصاف کا سبب قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا:

«أَحَبُّ الصَّلٰوةِ إِلَى اللهِ صَلٰوةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا»

''حضرت داود علیہ السلام کی نماز اللہ تعالیٰ کو سب نمازوں سے زیادہ محبوب ہے اور حضرت داود علیہ السلام کے روزے اللہ تعالیٰ کو سب روزوں سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ وہ نصف رات تک سوتے رہتے، تہائی رات قیام کرتے اس کے بعد رات کے چھٹے حصے میں پھر سو جاتے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے تھے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ رات کی نماز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً، لَّا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ يَّسْأَلُ اللهَ خَيْرًا مِّنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ»

''ہر رات ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ ایک مسلمان اس وقت دنیا و آخرت کی جو چیز بھی

---

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عبدالله بن عمر...... الخ، حديث: 3739

[2] صحيح البخاري، التهجد، باب من نام عند السحر، حديث: 1131

اللہ سے مانگے اللہ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ اور یہ لمحہ ہر رات میں ہوتا ہے۔"①

قیام اللیل کے لیے یہ بلیغ ترین ترغیب ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے بنیادی امور میں قیام اللیل کو ضرور شامل کرے۔ کیونکہ دعوت کی قبولیت اور تقویت کے لیے یہ نہایت اثر انگیز چیز ہے۔

روزے اور صدقات

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ زادِ راہ کے طور پر وہ روزوں کا اہتمام کرے۔ اس سے ہماری مراد فرضی روزے نہیں ہیں کہ یہ تو ایک ناگزیر چیز ہے، ہماری مراد نفلی روزے ہیں۔ جیسے سوموار اور جمعرات کا روزہ، ہر مہینے میں تین روزے، یوم عاشورہ کا روزہ، اس سے پہلے یا اس کے بعد ایک روزہ، عرفہ کے دن کا روزہ، ذوالحجہ کے 9 تاریخ تک کے روزے، اس کے علاوہ بھی کئی روزوں کی ترغیب وارد ہے، کیونکہ روزے اسے دینی اور دنیاوی امور میں تقویت پہنچاتے ہیں اور امر و نہی کے کام کے لیے مددگار اور بنیادی وسائل میں سے ہیں۔ یہی صورت حال صدقات کی ہے۔ داعی کو بخیل نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ بخیل آدمی سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اسے ضرورت سے زائد مال میں سے خرچ کرنا چاہیے۔ اپنوں، بیگانوں سب پر خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ دلوں کو اپنی جانب مائل کرنے، ان میں حق کی قبولیت کا جذبہ پیدا کرنے اور حق پر عمل کروانے کے لیے صدقات و خیرات کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اس پر اسے ثواب بھی ملے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ، نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ:

① صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین، باب فی اللیل ساعة مستجاب فیها الدعاء، حدیث : 757



يَا عَبْدَاللهِ! هٰذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَارَسُولَ اللهِ! مَا عَلٰى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، فَهَلْ يُدْعٰى أَحَدٌ مِّنْ تِلْكَ الأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ قَالَ: نَعَمْ! وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ»

''جو شخص (کسی صنف سے) کوئی دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے جنت کے (تمام) دروازوں سے آواز دی جائے گی: اے اللہ کے بندے! یہی بھلائی (یا یہ بہتر) ہے، جو نمازی ہوگا، اسے نماز والے دروازے سے پکارا جائے گا، جو جہاد کرنے والا ہوگا اسے باب الجہاد سے آواز دی جائے گی، جو روزے رکھنے والوں میں سے ہوگا، اسے باب الریان سے بلایا جائے گا، جو صدقہ دینے والا ہوگا، اسے باب الصدقہ سے پکارا جائے گا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے والدین آپ پر قربان ہوں، کسی شخص کو تمام دروازوں سے بلائے جانے کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن کیا کوئی شخص ایسا بھی ہوگا جسے تمام دروازوں سے آواز دی جائے گی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم بھی ان لوگوں میں سے ہوگے۔''[1]

تلاوتِ قرآن حکیم کا اہتمام

تلاوت قرآن حکیم کا اہتمام عام طور پر مسلمانوں اور خاص طور پر امر بالمعروف اور

[1] صحیح البخاری، الصوم، باب الریان للصائمین، حدیث: 1897

نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کی زندگی کے بنیادی امور میں سے ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس سے ہر مسلمان امر و نہی ترغیب و ترہیب اور دیگر تمام تعلیمات حاصل کرتا ہے، جو صراط مستقیم کی جانب لے جانے والی ہوتی ہیں۔ اس لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن حکیم کے ساتھ تعلقات استوار کرے، روزانہ کے لیے ایک حصہ مقرر کرے اور اس کی تلاوت کیا کرے، تاکہ قرآن ہی اس کا اخلاق بن جائے، اس کے تمام معاملات، لین دین، قول و فعل سب کچھ قرآنی تعلیمات سے ماخوذ ہوں۔ اور اسے پختہ یقین کر لینا چاہیے کہ قرآنی رہنمائی کے بغیر نہ تو کوئی سعادت ہے نہ کامیابی اور نہ کوئی بھلائی۔

نوع انسانی کے قائد حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرے پھر اس کی تعلیم کو پھیلائے۔''[1]

ایک روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

''تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''[2]

مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا: ''قرآن سیکھنے اور سکھانے والا سب لوگوں سے افضل اور بہترین شخص ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَتْلُوهُ

---

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، حدیث: 5027

[2] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، حدیث: 5028



آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ . . .»

''قابل رشک صرف دو شخص ہیں، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا اور وہ دن اور رات اس کی تلاوت کرتا ہو......''①

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا:

«اِقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ»

''ایک مہینے میں مکمل قرآن حکیم پڑھا کرو۔''

میں نے کہا: میں زیادہ استطاعت رکھتا ہوں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَاقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ وَّلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ»

''پھر سات دن میں قرآن ختم کر لیا کرو اس سے زیادہ نہ پڑھا کرو۔''②

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہنا کہ ہر ماہ قرآن حکیم ختم کیا کرو، اگر زیادہ ہمت ہے تو ایک ہفتہ میں ختم کر لیا کرو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مسلمان کی زندگی میں عام طور پر اور دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے خاص طور پر قرآن حکیم زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»

''قرآن حکیم کو مہارت سے پڑھنے والے کا درجہ نیک و مقدس فرشتوں کے ساتھ ہو گا، اور جو شخص مشقت سے قرآن حکیم پڑھتا ہے اور پڑھتے وقت اس کی زبان لغزش

---

① صحيح البخاری، فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، حديث :5026

② صحيح البخاری، فضائل القرآن، باب في كم يقرأ القرآن؟ حديث :5054

کھاتی ہے، اسے دوہرا اجر ملے گا۔''[1]

خلاصۂ کلام

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ زادِ راہ کے طور پر ہر قسم کی نفلی نمازوں، صدقات، روزوں، تلاوتِ قرآن حکیم اور ذکر و اذکار کا خاص اہتمام کرے، کیونکہ ان کی بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے، جس کا اندازہ صرف تجربے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

یہ چیزیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے لازمی ہتھیار شمار ہوتی ہیں، اور امر و نہی کے کام میں تسلسل اور اس راستے میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرنے کے لیے مددگار ہوتی ہیں۔ اس موضوع میں یہ جو باتیں کہی گئی ہیں وہ بطورِ مثال ہیں، تمام امور کا احاطہ نہیں کیا گیا۔



[1] صحیح مسلم، صلوۃ المسافرین، باب فضل الماھر بالقرآن والذی یتتعتع فیه، حدیث: 798

باب :3





علم و ورع

اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اسلام کے تمام عام و خاص احکام کا جاننے والا ہو۔ بلکہ صرف ان امور کا عالم ہو جن امور کا اس کو حکم دینا ہے یا ان سے روکنا ہے۔ وہ صرف اسی چیز کا حکم دے گا جس کا شارع علیہ السلام نے حکم دیا ہے اور صرف اسی چیز سے روکے گا جس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا ہے۔

علم ان بنیادی اوصاف میں سے ہے جس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والا مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علم کا مقام بلند کیا ہے اور علماء کو بھی ایسا مقام و مرتبہ عطا کیا ہے جو تمام مسلمانوں کے مقام و مرتبہ سے بلند ہے، نبی کریم ﷺ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَٰنِتٌ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا يَحْذَرُ ٱلْـَٔاخِرَةَ وَيَرْجُوا۟ رَحْمَةَ رَبِّهِۦ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ۝٩﴾

”کیا (یہ مشرک بہتر ہے یا) وہ شخص جو رات کے اوقات میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدہ کر رہا ہوتا ہے اور کبھی قیام۔ وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے۔ آپ کہیے، کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ علم والے اور علم سے کورے (جاہل) انسان میں بہت بڑا

---

[1] الزمر 9:39



فرق ہے۔ عالم کو اس کا علم اللہ کے قریب کرتا ہے۔ اسے کثرت نوافل، بارگاہ ایزدی میں قیام اور خشیت الٰہی پر آمادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾

''اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند کرتا ہے۔''①

اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ علماء کا مقام ان تمام اہل ایمان سے بلند ہے، جنھیں علم کا ایک وافر حصہ عطا نہیں ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾

''اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔''②

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے اس طرح صرف علماء ہی ڈرتے ہیں جنھیں اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس عظیم، بااقتدار، علم والی، صاحب کمال اور اسمائے حسنیٰ کی مالک ہستی سے جتنی زیادہ معرفت ہوگی اور اس کا علم جس قدر زیادہ ہوگا اس کی خشیت اتنی ہی بڑی اور زیادہ ہوگی۔③

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک عالم کو اس کا علم آمادہ کرتا ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور اس کا حکم دینا یا منع کرنا ہدایت و بصیرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے اور اس بات کا حکم دیتے ہوئے کہ وہ عمل سے پہلے علم حاصل کریں، ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿١٩﴾﴾

---

① المجادلة 11:58 ② فاطر 28:35

③ تفسیر ابن کثیر: 730/3 تفسیر سورۂ فاطر: 28/35

''(اے نبی!) آپ جان لیجیے بلاشبہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اپنی کوتاہی پر اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی استغفار کیجیے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے چلنے پھرنے اور بسیرا کرنے کو جانتا ہے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن منیر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''اس فرمان الٰہی کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قول و عمل کی درستی کے لیے علم شرط ہے۔ علم کے بغیر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ علم ان دونوں پر مقدم ہے کیونکہ علم نیت کو درست کرتا ہے اور نیت عمل کو درست کرتی ہے۔ سو مصنف اس بات پر متنبہ کر رہے ہیں کہ اس مقولے...... علم کا فائدہ صرف عمل کے ساتھ ہی ہوتا ہے...... سے کہیں ذہن میں یہ بات نہ آ جائے کہ علم کا معاملہ کمتر ہے اور اس کے حصول میں سستی پیدا ہو جائے۔''[2]

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے فضیلت علم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا جو آغاز کلام میں فرمایا: ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پھر بعد میں عمل کا حکم دیا تو فرمایا: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی شہادت ہے کہ اس کے بغیر مغفرت نہیں ہوتی اور جو یہ کلمہ کہہ دیتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب سے علم میں اضافے کے لیے دعا کریں، فرمایا:

---

① محمد 19:47

② فتح الباری، العلم، باب العلم قبل القول والعمل الخ: 211/1

③ حلیة الأولیاء: 7/335، 336



﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾﴾

''اور کہیے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے علم کے علاوہ کسی اور چیز کے اضافے کی دعا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ علم کی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔ خاص طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے، تاکہ دعوت اِلی اللہ کے راستے پر التزام اور استمرار کے سلسلے میں علم اس کی معاونت کرے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اپنے رب سے علم میں اضافے کا سوال کریں اور دوسری آیت میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اس نے اپنے نبی کو علم دے کر اس پر فضل و احسان کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَأَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾﴾

''اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ علم عطا کیا جسے آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت عظیم ہے۔''[2]

علم کی اہمیت اور فضیلت واضح کرنے والی آیات بہت زیادہ ہیں۔ ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان آیات سے سیراب ہو اور اس کے تقاضوں کو عملی جامہ پہنائے تاکہ یہ اس کی مددگار رہوں اور امر و نہی کا کام بصیرت کے ساتھ ہو۔

علم اور ورع احادیث کی روشنی میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»

---

[1] طٰہ 114:20 [2] النساء 113:4

تیسرا وصف: علم و ورع

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔''①

یہی اعزاز کتنا گرانمایہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شہادت دی ہے کہ جس نے علم سیکھا گویا اللہ تعالیٰ نے اس سے بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا

''صرف دو آدمیوں پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی ہو اور وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس کی تعلیم دیتا ہو۔''②

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللهُ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ

---

① صحيح البخاری، العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقهه فی الدين، حديث: 71 وصحيح مسلم، الزكوٰة، باب النهی عن المسألة، حديث: 1037

② صحيح البخاری، العلم، باب الاغتباط فی العلم والحكمة، حديث: 73وصحيح مسلم، صلوٰة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ......، حديث: 816



اللهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا ، وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرٰی ، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَّا تُمْسِكُ مَاءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلأً ، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللهِ ، وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ ، وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا ، وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ»

''اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے۔ جب کسی زمین پر وہ برستی ہے تو زمین کا جو حصہ اچھا ہوتا ہے، وہ پانی جذب کر لیتا ہے، پھر اس سے بہت زیادہ گھاس اور انگوریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور زمین کا وہ حصہ جو سخت ہوتا ہے اس میں پانی جمع ہو جاتا ہے، لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خود پیتے ہیں، جانوروں کو پلاتے ہیں اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ زمین کا ایک اور چٹیل حصہ بھی ہوتا ہے جس پر بارش برستی تو ہے مگر نہ تو وہ زمین پانی جمع کرتی ہے اور نہ گھاس پیدا کرتی ہے۔ یہ (پہلی اور دوسرے) اس انسان کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں فقاہت حاصل کی اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر کے بھیجا ہے اس سے اس نے فائدہ اٹھایا، یا خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا۔ اور یہ (تیسری) اس انسان کی بھی مثال ہے جس نے اس چیز کے لیے نہ سر بلند کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی وہ ہدایت قبول کی جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔''[1]

اس عظمت والی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے علوم دین کی مثال بارش سے دی ہے جو بنجر زمین کو شاداب بنا دیتی ہے۔ اسی طرح علوم دینیہ مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں۔ آپ نے دینی باتیں سننے والوں کو مختلف قسم کی زمینوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جن پر بارش نازل ہوتی

[1] صحیح البخاری، العلم، باب فضل من عَلِمَ وعَلَّمَ، حدیث: 79

ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دینی علوم حاصل کرتے ہیں، ان کے مطابق عمل کرتے ہیں، پھر دوسروں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ اس عمدہ زمین کی طرح ہیں جو بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے، خود بھی فائدہ اٹھاتی ہے اور نباتات پیدا کر کے دوسروں کو بھی فائدہ دیتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے دور کے تمام علوم حاصل کرتے ہیں لیکن اس سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھاتے یا ان میں فقاہت حاصل نہیں کر پاتے لیکن وہ علم دوسروں کو منتقل کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس زمین کی طرح ہیں جس میں بارش کا پانی ٹھہر جاتا ہے، پھر لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو علم کی باتیں سنتے ہیں لیکن نہ انھیں یاد رکھتے ہیں نہ ان پر عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں تک منتقل کرتے ہیں۔ وہ اس سخت یا چٹیل زمین کی طرح ہیں جو پانی کو جذب نہیں کرتی یا اسے بکھیر دیتی ہے۔"[1]

اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے باعمل اور دوسروں کو تعلیم دینے والے عالم کی باقی لوگوں پر عظمت و بلندی کی وضاحت فرما دی ہے، اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس عمدہ زمین کی طرح ہو جو خود بھی فائدہ اٹھاتی ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ دیتی ہے۔ اسے باعمل اور دوسروں کو تعلیم دینے والا عالم بننا چاہیے۔

جناب کثیر بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں جامع مسجد دمشق میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: "اے ابودرداء! میں آپ کے پاس مدینۃ الرسول ﷺ سے صرف ایک حدیث سننے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ: کیا اس کے سوا تجھے کوئی اور کام نہ تھا اس آدمی نے کہا: نہیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو تجارت

---

[1] فتح الباری، العلم، باب فضل من عَلِمَ و عَلَّمَ: 1/232، 233



کی غرض سے بھی نہیں آیا؟۔ تو اس نے کہا: نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَّطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللهُ بِهِ طَرِيقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِّطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ، وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا، وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ»

"جو شخص علم کے لیے کوئی راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیتا ہے اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور صاحب علم کے لیے آسمان و زمین میں بسنے والے اور پانی کے اندر مچھلیاں بھی مغفرت طلب کرتی ہیں اور بلاشبہ عالم کی عبادت گزار پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔ بلاشبہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء نے کوئی درہم و دینار ورثے میں نہیں چھوڑے، انھوں نے تو علم کی وراثت چھوڑی ہے جس نے اسے حاصل کرلیا اس نے بہت کچھ حاصل کرلیا۔"[1]

یہ حدیث علم کی فضیلت اور اس کا مرتبہ واضح کر رہی ہے اور بتاتی ہے کہ ایک عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چاند کو ستاروں پر۔ جب عالم کو عابد پر اس قدر

[1] سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث: 3641

فضیلت حاصل ہے تو باقی لوگوں پر اسے کس قدر فضیلت حاصل ہو گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین چیزوں کے، صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"[1]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کی وجہ سے اگر کوئی شخص برے کام سے رک جاتا ہے یا کوئی اچھا کام کرتا ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے اور یہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ یہ چند احادیث تھیں جو لوگوں کے لیے عام طور پر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے خاص طور پر علم کی فضیلت اور اہمیت واضح کرتی ہیں۔

علم اور ورع سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں

علم

فرمان الٰہی: ﴿نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَشَاءُ﴾ کی تفسیر میں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ ہم جسے چاہیں علم کے درجات میں بلند کر دیتے ہیں۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حدیث: 1631

[2] الأنعام 83:6، فتح الباری، العلم، باب فضل العلم: 187/1



حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

«اَلنَّاسُ عَالِمٌ وَّمُتَعَلِّمٌ، وَّلَا خَيْرَ فِيمَا بَعْدَ ذٰلِكَ»

''لوگ یا تو اہل علم ہوتے ہیں یا طالب علم۔ ان کے سوا باقی لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوگی۔''①

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے:

«مُعَلِّمُ الْخَيْرِ وَالْمُتَعَلِّمُ فِي الأَجْرِ سَوَاءٌ وَّلَيْسَ لِسَائِرِ النَّاسِ بَعْدُ خَيْرٌ»

''بھلائی کی تعلیم دینے والا اور تعلیم لینے والا، اجر وثواب میں دونوں برابر ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔''②

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

«أُغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا، وَّلَا تَكُنِ الرَّابِعَ فَتَهْلِكَ»

''تو اہل علم یا طالب علم یا علم کی باتوں کو سننے والا بن جا، چوتھی کوئی صورت اختیار نہ کر، ورنہ ہلاک ہوجائے گا۔''③

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: ''بلاشبہ معاذ رضی اللہ عنہ پیشوا، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار، یکسو اور مخلص تھے۔'' تو انھیں کہا گیا:

﴿إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا﴾

''بے شک ابراہیم (علیہ السلام) ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار اور اس کی طرف

① سنن الدارمی، المقدمة باب فی ذهاب العلم، حدیث: 52

② سنن الدارمی، المقدمة، باب فی ذهاب العلم، حدیث: 253

③ سنن الدارمی، المقدمة، باب فی ذهاب العلم، حدیث: 254

یکسو تھے۔''[1]

انھوں نے فرمایا: میں بھولا نہیں ہوں، کیا تمھیں معلوم ہے کہ امت کا معنی کیا ہے؟ اور قانت کا معنی کیا ہے؟'' ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا: [اَلْاُمَّۃ] اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اور [اَلْقَانِتُ] اسے کہتے ہیں جو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والا ہو۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ لوگوں کو خیر کی تعلیم دیا کرتے تھے اور وہ خود بھی اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع تھے۔''[2]

اس مفہوم کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو امت اور قانت ہونا چاہیے، یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دے۔ جب جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا آخری وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنی خادمہ سے پوچھا اس نے کہا: کیا صبح ہوگئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ کچھ دیر بعد پھر پوچھا: دیکھو (صبح ہوگئی ہے؟) اس نے کہا: جی ہاں (، صبح ہوگئی ہے۔) تو آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''میں جہنم کی جانب لے جانے والی صبح کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔'' پھر فرمانے لگے: ''اے ایک فاقہ زدہ مسافر پر آنے والی موت! تجھے خوش آمدید ہو۔ ندامت اٹھانے والا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے نہروں کے چلنے یا درخت لگانے کی خاطر دنیا میں رہنا کبھی پسند نہیں کیا۔ میں تو (حالت قیام میں) طویل رات کی مشقتیں سہنے، شدید گرمی (حالت صیام) میں دوپہروں کی پیاس برداشت کرنے اور علمی محفلوں میں علماء کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کے لیے زندگی چاہتا تھا۔[3]

---

[1] النحل 120:16

[2] صفة الصفوة، لابن الحوزی :495،494/1

[3] جامع بیان العلم و فضله، ابن عبدالبر :227/1، طبع دار ابن الحوزی



حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''علم مال سے بہتر ہے کیوں کہ تو مال کی حفاظت کرتا ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے۔ اخراجات مال کو ختم کر دیتے ہیں اور علم دوسروں کو سکھانے سے بڑھتا ہے۔ علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم۔ مال موجود ہے مگر مال جمع کرنے والے ختم ہو چکے ہیں جبکہ علماء اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک زمانہ باقی رہے گا اگرچہ وہ خود موجود نہیں ہیں مگر ان کے نشانات دلوں میں موجود ہیں۔''[1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ علماء کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''فقہائے اسلام اور وہ لوگ جن کے اقوال پر فتووں کا مدار ہے اور جو احکام کے استنباط میں مہارت رکھتے ہیں اور انھوں نے حلال و حرام کے اصول و قواعد ترتیب دینے کا خاص اہتمام کیا ہے، وہ زمین پر ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے ہیں۔ تاریکی میں ان ہی سے رہنمائی لی جاتی ہے اور لوگوں کو کھانے پینے سے زیادہ ان کی ضرورت ہے اور والدین سے بڑھ کر ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔''

جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی دو میں سے ایک روایت میں، نیز حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، حضرت ابوالعالیہ، عطاء بن ابی رباح، ضحاک اور مجاہد رحمہم اللہ بھی اپنی ایک روایت میں کہتے ہیں: ''اولوالامر سے مراد علمائے کرام ہی ہیں۔''[3]

---

① جامع بیان العلم و فضلہ، ابن عبدالبر :247/1، طبع دار ابن الجوزی

② النساء4:59

③ إعلام الموقعين :18/1

شاعر ابو عمر احمد بن سعید اپنے اشعار میں کہتے ہیں:

رَأَيْتُ الْعِلْمَ صَاحِبُهُ شَرِيفٌ

وَإِنْ وَّلَدَتْهُ آبَاءٌ لِئَامُ

وَلَيْسَ يَزَالُ يَرْفَعُهُ إِلَى أَنْ

يُعَظِّمَ قَدَرَهُ الْقَوْمُ الْكِرَامُ

وَيَتَّبِعُونَهُ فِى كُلِّ أَمْرٍ

كَرَاعِ الضَّأْنِ تَتْبَعُهُ السَّوَامُ

وَيُحْمَلُ قَوْلُهُ فِى كُلِّ أُفُقٍ

وَمَنْ يَّكُ عَالِمًا فَهُوَ الإِمَامُ

فَلَوْلَا الْعِلْمُ مَا سَعَدَتْ نُفُوسٌ

وَلَا عُرِفَ الْحَلَالُ وَلَا الْحَرَامُ

فَبِالْعِلْمِ النَّجَاةُ مِنَ الْمَخَازِى

وَبِالْجَهْلِ الْمَذَلَّةُ وَالرَّغَامُ

هُوَ الْهَادِى الدَّلِيلُ إِلَى الْمَعَالِى

وَمِصْبَاحٌ يُّضِىءُ بِهِ الظَّلَامُ

كَذَاكَ عَنِ الرَّسُولِ أَتٰى عَلَيْهِ

مِنَ اللهِ التَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ



- میں نے دیکھا ہے کہ علم والا معزز ہوتا ہے اگرچہ اسے جنم دینے والے والدین ادنیٰ درجے کے ہوں۔"
- اور علم مسلسل اس شخص کو بلند کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ قوم کے شرفا بھی اسے عظیم القدر تسلیم کر لیتے ہیں۔"
- اور ہر معاملے میں اس کے پیچھے چلتے ہیں جیسے جانور بکریوں کے چرواہے کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔"
- ہر سو اسی کا فرمان ہوتا ہے اس لیے کہ جو عالم ہوتا ہے وہی حکمران (امام) ہوتا ہے۔"
- اگر علم نہ ہوتا تو نفس بھی سعادت مند نہ ہوتے اور حلال وحرام کی پہچان بھی نہ ہوتی۔"
- ذلت و رسوائی سے نجات صرف علم ہی کی بدولت ہو سکتی ہے جبکہ جہالت سے ذلت ورسوائی حاصل ہوتی ہے۔"
- وہ بلندیوں کی جانب رہنمائی کرنے والا اور راستہ بتانے والا ہے اور ایسا چراغ ہے جس سے تاریکیاں اجالا بن جاتی ہیں۔"
- اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول کریم ﷺ کی وساطت سے اس عالم کے لیے اچھے کلمات اور سلامتی کے الفاظ مروی ہیں۔"[1]

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کرے، علماء کی جماعتوں سے وابستہ رہے، یہاں تک کہ وہ جس راہ پر بھی چلے اپنے سامنے اجالا پائے، اس کے اوامر ونواہی شرعی دلائل سے مسلح ہوں، جو اس بات کی دلیل ہوں گے کہ حق اس کے ساتھ ہے۔ اس طرح اس کے اوامر و نواہی معاشرے پر اثر انداز ہوں گے۔

---

[1] جامع بیان العلم و فضلہ :237/1۔ طبع دار ابن الجوزی

ورع (تقویٰ)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کی زندگی میں تقوی بنیادی اور اہم امور میں سے ہے۔ کیونکہ یہ عبادات کی قبولیت کی بنیاد ہے اور اس کے نتیجے میں وہ زہد حاصل ہوتا ہے جس کے مستحب اور مشروع ہونے پر کتاب وسنت میں بے شمار دلائل ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَّبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَّا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَّرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى، يُوشِكُ أَنْ يُّوَاقِعَهُ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنھیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو ان مشتبہ امور سے بچا، اس نے اپنے دین وناموس کو بچا لیا اور جو ان مشتبہ امور میں مبتلا ہو گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو شاہی چراہ گاہ کے اردگرد جانور چرا رہا ہو اسے تو ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ جانور چراگاہ میں داخل ہو جائیں گے۔ آگاہ رہو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیا ہیں۔ سن لو! جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو



سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو! وہ دل ہے۔"[1]

صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ، وَّالْحَرَامُ بَیِّنٌ، وَّبَیْنَهُمَا أُمُورٌ مُّشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَیْهِ مِنَ الإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ، وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَی مَا یَشُكُّ فِیهِ مِنَ الإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ یُّوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالْمَعَاصِی حِمَی اللهِ، مَنْ یَّرْتَعْ حَوْلَ الْحِمٰی یُوشِكُ أَنْ یُّوَاقِعَهُ»

"حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں۔ جو شخص اس چیز کو ترک کر دے جو اس کے نزدیک گناہ کے مشابہ ہے تو وہ واضح گناہ کو بالاولیٰ ترک کرنے والا ہوگا۔ اور وہ شخص جو ایسا کام کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے جس کے گناہ ہونے میں شک ہو تو کوئی بعید نہیں کہ وہ واضح گناہ کا ارتکاب کر لے۔ نافرمانیاں اور گناہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ ہیں۔ جو اس چراگاہ کے اردگرد رہے گا تو عین ممکن ہے کہ وہ شخص اس چراگاہ میں داخل ہو جائے۔"[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس روایت کو لانے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ تقویٰ ایمان کو مکمل کرنے والے امور میں سے ہے۔[3]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ متقی ہوتا کہ اس کے اوامر و نواہی کا دوسروں پر اثر ہو اور یہ ان کے لیے قابل قبول ہوں۔ اسے اپنے اوامر و

① صحیح البخاری، الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینه، حدیث: 52

② صحیح البخاری، البیوع، باب الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبهات، حدیث: 2051

③ فتح الباری: 167/1

نواہی، میل جول اور لین دین میں متقی ہونا چاہیے اور اپنے دل کی اصلاح کرنی چاہیے، جو تقویٰ کا مرکز ہے اور اسی پر قول وفعل کی درستی کا دارومدار ہے۔ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے نبیٔ کریم ﷺ کے اس فرمان کی تشریح کی ہے:

«أَلَا! وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا! وَهِيَ الْقَلْبُ»

''خبردار! جسم میں ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، متنبہ رہو! وہ دل ہے۔''[1]

وہ لکھتے ہیں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ آدمی کی حرکات کی اصلاح اس کے دل کی حرکات کی اصلاح کے مطابق ہوگی۔ اگر دل تمام خرابیوں سے پاک ہے، اس میں صرف اللہ کی محبت اور اس چیز کی محبت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور ان امور میں پڑنے کا خوف ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے تو اس کے تمام اعضا کی حرکات درست ہو جائیں گی۔ تمام حرام چیزوں سے پرہیز اور شبہات سے بچنے کا جذبہ نشوونما پائے گا۔ لیکن اگر دل ہی خراب ہو اور اس پر یہ جذبہ غالب آ جائے کہ خواہشات کی پیروی کرے، خواہ وہ خواہشات اللہ تعالیٰ ناپسند ہی کرتا ہو، تو اس کے تمام اعضا کی حرکات فاسد ہو جائیں گی اور دلی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے وہ ہر قسم کی معصیت اور مشتبہات کی جانب لپکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو صرف وہی دل فائدہ مند ثابت ہوتا ہے جو ہر قسم کی خرابیوں سے پاک ہو۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾﴾

''جس دن نہ مال کوئی نفع دے گا اور نہ اولاد ہی۔ مگر یہ کہ کوئی اللہ کے پاس قلب سلیم

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حديث: 52



کے ساتھ حاضر ہو۔"[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا»

"اگر یہ (خوف) نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی ہوگی تو میں اسے ضرور کھالیتا۔"[2]

یہ ان عظیم مثالوں میں سے ایک مثال ہے جو ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے تقوے کے سلسلے میں اپنی امت کے لیے پیش کی ہیں۔ اور امت کے لیے اس میں اسوۂ حسنہ ہے۔ حضرت ابو محمد حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد خوب یاد ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ»

"ہر وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں مبتلا کرے اور وہ چیز اختیار کر جو شک میں مبتلا نہ کرے۔"[3]

جامع ترمذی میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات یاد ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ اطْمَأْنِينَةٌ وَّإِنَّ الْكَذِبَ رِيبَةٌ»

"ہر وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں مبتلا کرے اور ہر وہ چیز اختیار کر جو تجھے شک

---

① الشعراء 26:88-89

② صحیح البخاری، البیوع، باب یتنزہ من الشبهات، حدیث: 2055

③ سنن النسائی، الأشربة، الحث علی ترك الشبهات، حدیث: 5714

میں مبتلا نہ کرے۔ پس سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔[1]

اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقوی جیسی صفات سے خود کو آراستہ کرے۔ یہ چیز اس کے معاملے کو تمام خواہشات سے پاک کردے گی، اور اس کے اوامر ونواہی کو لوگوں میں شرف قبولیت بخشے گی۔



① جامع الترمذی، صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل......، حديث : 2518

باب :4





نرمی، بردباری اور درگزر

چوتھا وصف: نرمی، بردباری اور درگزر

دعوت الی اللہ کے آغاز میں جو مثالی طریقہ انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا وہ شفقت، نرمی، دانائی اور عمدہ نصیحت کا ہے۔ اس طریقے کو اپنانے سے وہ شخص جسے دعوت دی جارہی ہو یا کوئی حکم دیا جارہا ہو یا کسی بات سے منع کیا جارہا ہو، احساس کرتا ہے کہ آپ اس کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور اس کے لیے بھلائی پسند کر رہے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے دل کے دروازے آپ کے لیے کھول دیتا ہے اور آپ کی دعوت یا اوامر ونواہی کو قبول کر لیتا ہے۔

نرمی کی فضیلت قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾

''اور لوگوں کو اچھی باتیں کہو۔''[1]

ابوالعالیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں سے اچھی بات کہیں اور ان کے پسندیدہ انداز میں ان سے بحث کریں۔''[2]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے سے یہی تقاضا ہے کہ وہ اچھی بات کہے۔ مخاطب نیک ہوں یا بدکار، اچھی بات کا ان پر اثر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] البقرة 83:2

[2] روح المعانی : 787/1، سورة البقرة ، آیت :83



کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ﴾

''یہ اللہ کی رحمت تھی کہ آپ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ سے دور ہو جاتے۔''①

سید قطب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''یہ اللہ ہی کی رحمت تھی جو اس نے اپنے نبی ﷺ اور لوگوں پر فرمائی اور جس کی وجہ سے نبی ﷺ لوگوں کے لیے مہربان اور مشفق بن گئے اگر وہ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ ولی محبت اور جذبات و احساسات کے ساتھ ان کے اردگرد جمع نہ ہوتے۔ لوگوں کو بہت زیادہ ضرورت تھی، ایک مہربان آغوش کی، اعلیٰ نگہداشت کی، ہنستے مسکراتے چہرے کی، ایسی محبت کی جس میں وہ سب سما جائیں، ایسے حلم کی جو ان کی جہالت، کمزوری یا عیوب کی وجہ سے ختم نہ ہو جائے۔ وہ منتظر تھے ایک بہت بڑے فیاض دل کے، جو لوگوں کو تو دے مگر ان سے کچھ نہ مانگے۔ جو ان کے غم دور کر دے مگر اپنا غم انھیں نہ دے۔ وہ ایسی شخصیت کے طالب تھے جس کے پاس انھیں ہمیشہ توجہ، نگہداشت، مہربانی، سخاوت، محبت اور خوشنودی ملے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا دل ایسا ہی تھا، اور لوگوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ بھی ایسا ہی تھا۔ آپ کبھی اپنی ذات کے لیے غصے میں نہیں آئے۔ لوگوں کی بشری کمزوریوں کی وجہ سے آپ کا سینہ تنگ نہیں ہوا۔ دنیا کا مال کبھی اپنی ذات کے لیے جمع نہیں کیا۔ بلکہ جو کچھ بھی آپ کے ہاتھ آیا، آپ نے سخاوت کرتے ہوئے لوگوں کو عطا فرما دیا اور ان سب کو

① آل عمران 159:3

اپنے علم، حسن سلوک اور شفقت ومحبت کے سائے تلے لے لیا۔ جس شخص نے بھی آپ کو دیکھا یا آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارا، آپ ﷺ کی مہربانیوں اور شفقتوں کے نتیجے میں اس کا دل آپ ﷺ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔[1]

اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے لیے نرم خو، مہربان اور مشفق ہو۔ وہ انھیں اس انداز سے دیکھے گویا وہ معالج ہے اور لوگ مریض ہیں، جنھیں علاج کی ضرورت ہے۔ دلی امراض سے بڑھ کر اور کون سا مرض ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے ماہر معالج کی توجہ کے زیادہ مستحق ہیں جو ہر مریض کو اس کی مناسبت سے خوراک دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾﴾

''معاف کر دیجیے، اچھی بات کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔''[2]

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''لوگوں کے افعال سے معافی والے پہلو کو لے لیں اور اخلاق سے پیش آئیں تکلیف کے بجائے آسانی کریں اور ان سے مشکل اور مشقت والے کام نہ کہیں کہ وہ لوگ اس سے متنفر ہو کر چلے جائیں اور ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ ''اور جاہلوں سے اعراض کریں۔'' سے مراد بے وقوفوں کے ساتھ بے وقوف مت بنیں اور انھیں بے وقوفی کا طعنہ بھی نہ دیں۔ ان سے بردباری سے پیش آئیں اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کریں۔''[3]

---

[1] تفسیر فی ظلال القرآن: 501،500/1

[2] الأعراف 199:7

[3] الکشاف: 190,189/2، سورۃ الأعراف 199:7



حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ نے اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ہاں قیام کیا اور حر بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے، قرائے کرام عمر رسیدہ ہوں یا جوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجالس و مشاورت کے ارکان ہوتے تھے، تو عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا، اے بھتیجے! امیر المومنین کے ہاں تیرا ایک مقام ہے، مجھے بھی ان سے ملاقات کی اجازت لے دو۔ تو انھوں نے کہا میں آپ کے لیے اجازت لے لوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حر بن قیس نے عیینہ کے لیے اجازت طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا، اے خطاب کے بیٹے! حالت یہ ہے کہ نہ تو ہمیں بڑے عطیات دیتا ہے اور نہ تو ہمارے درمیان انصاف کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے، قریب تھا کہ اسے کچھ کہتے کہ حر بن قیس نے کہا، اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا ہے:

﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْجَٰهِلِينَ ﴿١٩٩﴾﴾

"معاف کر دیجیے، اچھی بات کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔"[1]

"اور یہ جاہل ہے" اللہ کی قسم جب اس نے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ کی کتاب کے سامنے اپنے ارادے سے رک گئے۔"[2]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے اخلاق کے مقابلے میں درگزر سے کام لیں۔[3]

---

① الأعراف 199:7

② صحيح البخاري، التفسير، باب خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين، حديث: 4642

③ صحيح البخاري، التفسير، باب خذا العفو وامر بالمعروف وأعرض عن الجاهلين، حديث: 4644

اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے نرم انداز اختیار کرے، اچھی بات کہے اور جاہلوں سے اعراض کرے، اس طرح کہ ان کی جہالت کا جواب جہالت سے نہ دے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِعُرْفٍ كَمَا
أُمِرْتَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَا

وَعِنْدَ اقْتِدَارِكَ كُنْ رَاحِمًا
وَأَظْهِرْ دَوَامًا مَّعَ الْجَاهِ لِينَا

"درگزر کا وصف اختیار کر اور اچھی بات کہہ۔ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور جاہلوں سے اعراض کر۔ اور جب تو طاقت ور ہو تو رحم دل بن جا اور بڑا ہونے کے باوجود ہمیشہ نرمی کا مظاہرہ کر۔"[1]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے بعض لوگوں پر یقیناً آپ تعجب کا اظہار کریں گے۔ جب وہ نہایت درشت، سخت اور غلیظ الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اس وجہ سے لوگ ان سے دور ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کا فضل ہے کہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾﴾

"اپنے رب کے راستے کی جانب حکمت اور احسن وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے، اور

---

[1] زهرة الآداب و ثمر الألباب: 427/2



اس انداز سے بحث کیجیے جو بہت ہی اچھا ہو۔ یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بخوبی جانتا ہے اور راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔''[1]

مشہور مفسر امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قریش کے ساتھ صلح کے زمانے میں یہ آیت مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ میرے دین اور شریعت کی جانب بڑی خاکساری اور نرمی کے ساتھ دعوت دیں۔ سختی اور تشدد سے گریز کریں۔ قیامت تک مسلمانوں کو اسی انداز میں نصیحت کی جانی چاہیے۔ یہ گناہ گار مومنوں کے لحاظ سے محکم آیت ہے اور کافروں کے لحاظ سے حکم جہاد کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کسی کافر کی بھی یہی کیفیت ہو اور بغیر جہاد کے اس کے ایمان لانے کی امید ہو تو پھر یہ آیت منسوخ نہیں ہے (بلکہ اس کے ساتھ نرم انداز ہی اختیار کیا جائے گا۔'')[2]

اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو صراط مستقیم کی جانب حکمت، حسن وعظ اور بحث کے عمدہ ترین انداز کے ساتھ دعوت دے، کیونکہ فطری طور پر لوگ صرف عمدہ، نرم اور دلوں کو موہ لینے والی باتیں ہی سننا پسند کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر لوگ دور ہو جاتے ہیں اور ان پر الٹا اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کی جانب بھیجا تو انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾﴾

''اس سے نرمی والی بات کرنا تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اسے خوف محسوس ہو۔''[3]

---

① النحل 125:16

② الجامع لأحكام القرآن، للقرطبی : 131/10 سورة النحل 16 : 125

③ طٰہٰ 44:20

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں بہت زیادہ درس عبرت ہے اور وہ یہ کہ فرعون انتہائی سرکش اور متکبر تھا اور موسیٰ علیہ السلام اُس عہد کے لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کا نہایت عمدہ انتخاب تھے۔ اس کے باوجود انھیں حکم دیا کہ فرعون سے نرمی سے بات کرنا۔''[1]

جب یہ ہدایت کافروں کے سلسلے میں ہے تو اہل ایمان کے سلسلے میں کیا ہدایت ہوگی؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کو اس پر متنبہ رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾﴾

''اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی، جواباً وہ انداز اپنائیں جو سب سے عمدہ ہو، ایسا کرنے سے وہ شخص جس سے آپ کی دشمنی ہے، ایسا بن جائے گا جیسے دلی دوست ہو۔ لیکن یہ وصف صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو صبر کریں اور انھیں ملتا ہے جو بڑے نصیب والے ہوں۔''[2]

امام رازی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَسَنَةُ﴾ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حق کی طرف دعوت دینا، کافروں کی جہالت پر صبر کرنا، انتقام نہ لینا اور ان کی پروا نہ کرنا ہے اور ﴿السَّيِّئَةُ﴾ سے مراد بعض کافروں کی بات چیت ہے۔ وہ کبھی اپنی گفتگو میں اکھڑ پن کا مظاہرہ کرتے اور کبھی کہتے تھے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 3/207، 208۔ سورۃ طٰہٰ 20: 44

[2] حٰم السجدۃ 41: 34، 35



﴿وَقَالُواْ قُلُوبُنَا فِىٓ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ﴾

''جس چیز کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سلسلے میں ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔''[1]

یا وہ کہتے تھے:

﴿لَا تَسْمَعُواْ لِهَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ وَٱلْغَوْاْ فِيهِ﴾

''اس قرآن کو نہ سنو اور (جب یہ پڑھا جائے تو) بے ہودہ گوئی کرو۔''[2]

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) تیرا کام حسنہ ہے اور ان کا کام سیئہ ہے۔ اور حسنہ (اچھا) اور سیئہ (برا) برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ اگر تو حسنہ والا عمل کرے گا تو تو دنیا میں عظمت کا حقدار ہوگا اور آخرت میں ثواب کا۔ جب کہ ان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔[3]

زیادہ بہتر ہے کہ ہم کہیں کہ حسنہ کا معنی عام ہے، یعنی ہر وہ چیز جس کی شریعت نے دعوت اور ترغیب دی ہو، وہ حسنہ ہے۔ اور جس چیز سے روکا اور منع کیا ہے، وہ سیئہ ہے کیونکہ (بقول امام رازی) تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے آیت اپنے عموم ہی پر رہے گی۔ اچھائی اور برائی کے یکساں نہ ہونے کا حکم ایک فطری تقاضا ہے جسے عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ٱدْفَعْ بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ فَإِذَا ٱلَّذِى بَيْنَكَ وَبَيْنَهُۥ عَدَٰوَةٌ كَأَنَّهُۥ وَلِىٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾﴾

'' آپ برائی کو ایسی بات سے ٹالیے جو احسن ہو تو (آپ دیکھیں گے) یکا یک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، (ایسا ہو جائے گا) جیسے جگری دوست ہو۔''[4]

---

① حم السجدة 5:41 ② حم السجدة 26:41

③ تفسير الفخر الرازی: 128/27 ـ سورة فصلت 34:41

④ حم السجدة 34:41

یعنی اگر آپ کے مخالف آپ کے ساتھ برا رویہ اختیار کریں تو اس کے جواب میں آپ ان سے اچھا رویہ (اور وہ حسنہ ہی ہے) اختیار کریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کو مشکلات میں ڈالنے والا دشمن ایک مہربان دوست کی طرح بن جائے گا۔[1]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کو اپنا نصب العین بنا کر اوامر و نواہی کا فرض انجام دے۔ یہاں تک کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جو شخص اس اسلوب کو (جس کا اس نے حکم دیا ہے) بروئے کار لائے گا تو اس کا نتیجہ کامیابی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ یہ مرتبہ بہت بلند اور عظیم ہے۔ اللہ کی توفیق اور محنت و کوشش ہی کے بعد اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ٱلَّذِينَ صَبَرُواْ وَمَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾﴾

''یہ وصف صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو صبر کریں اور انھیں ملتا ہے جو بڑے نصیب والے ہوں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق کے لیے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں۔ ان میں دعوت الی اللہ کی تکالیف پر صبر کرنا، قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا اور پھر ہمیشہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا ہے، کیونکہ توفیق اور تعاون صرف اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

﴿وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ قلبی فضائل اور روحانی قوت کا مرتبہ بہت بلند ہے کیونکہ مقابلے اور انتقام کے جذبات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب دل متاثر ہو۔

[1] روح المعانی، الآلوسی: 189/13، سورۃ فصلت 41: 34

[2] حٰم السجدۃ 41:35



اور بیرونی امور سے دل اسی وقت متاثر ہوتا ہے جب وہ کمزور ہو۔ اگر دل جوہری لحاظ سے مضبوط ہو تو وہ بیرونی امور سے متاثر نہیں ہوتا، اور جب وہ متاثر نہ ہوگا تو نہ اس میں کمزوری پیدا ہوگی نہ وہ تکلیف محسوس کرے گا اور نہ ہی انتقام کے جذبات پیدا ہوں گے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ وصف صرف اسی کو ملتا ہے جو مضبوط دل، جوہری پاکیزگی اور ذاتی طہارت رکھتا ہو۔[1]

نرمی کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ انھوں نے کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ "تمہیں موت آ جائے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ان کی بات سمجھ لی اور کہا: وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ "تم پر موت آئے اور لعنت بھی" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَهْلاً يَّاعَائِشَةُ! إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ، فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: قَدْ قُلْتُ: وَعَلَيْكُمْ»

"اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) رک جاؤ، اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔" میں نے کہا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے ان کے جواب میں کہہ دیا تھا وعلیکم" کہ یہ سب کچھ تم پر ہو۔"[2]

---

① تفسیر الفخر الرازی: 128/27، سورة فصلت 41: 35

② صحیح البخاری، الأدب، باب الرفق فی الأمر کله، حدیث: 6024

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اس کی طرف لپکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُزْرِمُوهُ، ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ فَصُبَّ عَلَيْهِ»

''اس کے پیشاب میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ پھر آپ نے پانی کی ایک بالٹی منگوائی اور اس پیشاب پر بہا دی۔''[1]

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اسے مارنے کے لیے اٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهُ وَأَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِّنْ مَّاءٍ، أَوْ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ»

''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، تمھیں تو آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، مشکل میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔''[2]

اس اعرابی کے عمل سے بڑھ کر اور کیا بدتہذیبی ہو سکتی ہے۔ عبادت کی جگہ پر پیشاب کرنا، اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر میں پیشاب کرنا اور وہ بھی لوگوں کے سامنے۔ لیکن اس نے یہ کام اس ذات گرامی کی موجودگی میں کیا جسے لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ تو انھوں نے (اعرابی کے) اس عمل کے مقابلے میں نرمی کا مظاہرہ کیا، اس سے زیادہ اور کیا نرمی ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں اسے چھوڑ دو، اس کے پیشاب کرنے میں رکاوٹ نہ ڈالو تاکہ جسمانی صحت کے اعتبار سے اسے تکلیف نہ ہو، اسے کوئی سزا بھی نہ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الرفق في الأمر كله، حديث: 6025

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب قول النبي ﷺ يسروا ولا تعسروا، حديث: 6128



صرف یہی حکم دیا کہ اس جگہ کو پاک کر دیا جائے اور اس اعرابی کو یہ سمجھایا کہ یہ جگہ عبادت کے لیے خاص ہے۔ یہاں اس قسم کی گندگی پھیلانا مناسب نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ایک نمایاں عمل، خلق عظیم کا زبردست مظاہرہ اور صبر و تحمل کا بڑا حیران کن واقعہ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلیں اور اس جیسے عظیم واقعات سے سبق حاصل کریں تاکہ وہ اپنے اوامر ونواہی کے عمدہ نتائج حاصل کر سکیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ»

''نرمی جس چیز میں ہوگی اسے خوشنما بنا دے گی اور جس چیز سے نکال دی جائے اسے بدنما کر دے گی۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ»

''اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والا ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ اجر عطا کرتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا، بلکہ نرمی کے سوا کسی اور چیز پر عطا ہی نہیں کرتا۔''[2]

ان دو حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے یہ وضاحت فرما دی کہ نرمی جس کام میں بھی ہو

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، حدیث: 2594

[2] صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، حدیث: 2593

گی وہ درست ہوگا اور جس کام سے نرمی ختم کر دی جائے وہ کام بگڑ جائے گا اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ بھی وضاحت فرما دی کہ نرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ وہ توفیق اور شرف قبولیت عطا فرماتا ہے جو سختی اور سنگدلی پر عطا نہیں کرتا بلکہ نرمی کے سوا کسی اور چیز پر عطا ہی نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس رہنمائی کے نتائج واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی بھی داعی یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والا جب بھی نرمی اختیار کرے گا تو توفیق الٰہی اور شرفِ قبولیت کو اپنے ساتھ شامل حال پائے گا۔ اور جب بھی وہ سختی، شدت اور سنگدلی اختیار کرے گا تو یہ چیز اسے حاصل نہیں ہوگی۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرمی کو اپنے لیے لازمی صفت شمار کرے اور یہ وصف کبھی اس سے جدا نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ نرم دل آدمی اہل جنت کی صفات سے آراستہ ہوتا ہے اور یہ فخر اس کے لیے کافی ہے۔ حضرت عیاض بن حمار المجاشعی اپنی طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

«وَأَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُو سُلْطَانٍ مُّقْسِطٌ مُّتَصَدِّقٌ مُّوَفَّقٌ، وَّرَجُلٌ رَّحِيمٌ رَّقِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ، وَّعَفِيفٌ وَّمُتَعَفِّفٌ ذُو عَيَالٍ»

''اہل جنت تین قسم کے ہوں گے: صاحب اقتدار شخص جو انصاف کرنے والا، صدقہ خیرات کرنے والا اور بھلائی کی توفیق دیا گیا ہو۔ وہ شخص جو ہر رشتہ دار اور مسلمان کے لیے نرم دل ہو۔ وہ پاکباز (مسلمان) جو کثیر العیال ہونے کے باوجود مانگنے اور کمائی کے ناجائز ذرائع سے بچنے والا ہو۔''[1]

---

[1] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب الصفات التي یعرف بها في الدنیا أهل الجنة وأهل النار، حدیث: 2865



رسول اللہ ﷺ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ نرم دل، نرم خواور نرم مزاج شخص جہنم پر حرام ہے یا جہنم اس پر حرام ہے۔ اور اس طرح کی صفات دخول جنت کی ضامن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ، وَبِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ»

''کیا میں تمھیں اس شخص کی خبر نہ دوں جو جہنم پر حرام ہے اور جس پر جہنم حرام ہے۔ یہ وہ رشتہ دار ہے جو نرم خواور نرم مزاج ہو۔'' (1)

حضرت عصمہ بن عصام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت حنبل رحمہ اللہ نے بتایا کہ میں نے ابو عبداللہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''لوگوں کو امر بالمعروف کے معاملے میں نرم مزاجی اور نرم دلی کی ضرورت ہے، سختی کی نہیں سوائے اس کے جو کھلم کھلا برے کام کرنے والا، گھٹیا قسم کا آدمی ہو۔ اسے روکنا اور اعلانیہ ٹوکنا تم پر واجب ہے، کیونکہ فاسق شخص قابل احترام نہیں ہوتا۔ نہ اس کی کوئی عزت ہوتی ہے۔'' (2)

ابن مفلح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو اپنے دعوتی امور میں متواضع، نرم دل، مشفق اور مہربان ہونا چاہیے۔ سخت گو، سخت دل اور مشکلات میں ڈالنے والا نہیں ہونا چاہیے اور اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، اقامت دین، غلبۂ شریعت اور اطاعت الٰہی ہونا چاہیے۔ بغیر کسی نمود و نمائش، منافقت اور فریب کے، نیز

---

(1) جامع الترمذي، صفة القيامة، باب فضل كل قريب هين سهل...... ، حديث :2488

(2) الآداب الشرعية ، ابن مفلح :214/1

اسے نوافل و مستحبات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ چھان بین اور پہلی مرتبہ لغزش پر درگزر کرنے کو عادت بنا لینا چاہیے۔"[1]

ابونعیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یوسف بن یعقوب النجیرمی نے بتایا کہ وہ حسن بن مثنی رحمہ اللہ اور وہ حماد بن زید رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سے ثابت رحمہ اللہ نے بیان کیا:

"صلہ بن اشیم رحمہ اللہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس سے ایک نوجوان اپنی چادر ٹخنوں سے نیچے کیے ہوئے گزرا تو صلہ بن اشیم کے ساتھیوں نے چاہا کہ وہ اپنی زبانوں سے اس کا سخت مواخذہ کریں تو صلہ بن اشیم نے کہا، مجھے اجازت دو، تمھاری بجائے میں اس سے بات کرتا ہوں۔ پھر صلہ بن اشیم نے کہا، اے بھتیجے! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ اس نے کہا اپنا کام بتائیے۔ صلہ بن اشیم نے کہا میری خواہش ہے کہ آپ اپنی چادر اونچی کر لیں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، تمھاری تکریم کے لیے میں ایسا ضرور کروں گا اور اس نے اپنی چادر اونچی کر لی۔ پھر صلہ بن اشیم نے اپنے ساتھیوں سے کہا جو رویہ تم اپنانا چاہتے تھے، یہ اس سے افضل ہے۔ اگر تم اسے برا بھلا کہتے اور اذیت پہنچاتے تو وہ تم کو برا بھلا کہتا۔"[2]

لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو چاہیے کہ اس کی نرم مزاجی کسی فریب یا خوف کی وجہ سے نہ ہو اور نہ اس لیے ہو کہ دلوں کو اپنی جانب مائل کر کے دنیاوی ساز و سامان حاصل کرے۔ اس قسم کی نرمی شرعاً جائز نہیں ہے۔ امید ہے کہ اس پہلو کی وضاحت کے لیے یہ دلائل کافی ہوں گے۔

---

[1] حوالہ مذکور

[2] حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء لأبی نعیم :238/2



بردباری اور درگزر

بردباری اور درگزر کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ دونوں صفات بھی ان اہم امور میں سے ہیں جن سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو متصف ہونا چاہیے۔ شریعت نے اس کی فضیلت اور ضرورت کو عام لوگوں کے لیے اور خاص طور پر دعوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کے لیے واضح فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾﴾

''ان لوگوں کو ضرور معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''﴿وَلْيَعْفُوا﴾ کے معنی ہیں کہ یہ لوگ دوسروں کے وہ گناہ اور غلطیاں معاف کر دیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اور ﴿وَلْيَصْفَحُوا﴾ کے معنی ہیں کہ وہ خطا کار اور اس کی خطا سے چشم پوشی کریں۔ ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ کے معنی ہیں کہ جو لوگ تمھارے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں تم ان کو معاف کر دو اور درگزر کرو تاکہ اللہ تعالیٰ بھی تمھیں اس وجہ سے معاف فرما دے۔''[2]

اس لیے جو شخص اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے اسے دوسروں کے بارے میں عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے تاکہ اس کی اپنی ذات کے بارے میں اللہ کا وعدہ پورا ہو۔ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے اپنے گناہوں کی مغفرت کی ضرورت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

① النور 22:24

② فتح القدیر: 20/4، سورۃ النور 22:24

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾ ﴾

''انھیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر فرمائیں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہ نصرت و کامیابی کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ بعض اسلاف کا قول ہے کہ وہ لوگ جو تمھارے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتے ہیں اگر تم جواباً یہ رویہ اختیار کرو کہ ان کے معاملات میں اللہ کی اطاعت، یعنی درگزر، کرو تو اس طرح حق پر لوگوں کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ کہ ان کے برے سلوک کو معاف کر دینے کی وجہ سے جو تم احسان کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس قسم کا احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ ﴾

''جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[3]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو شخص اپنے ساتھ برا سلوک کرنے والے کی برائی کو معاف کر دے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اسے سزا نہ دے حالانکہ وہ سزا دینے پر قادر ہو تو اس

---

① المائدة 5:13

② تفسير ابن كثير: 2/33، سورة المائدة 5: 13

③ الشورىٰ 42:40



کے اس معاف کر دینے کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور اللہ تعالیٰ اسے یقیناً ثواب عطا فرمائے گا۔[1]

یہ تمام آیات مسلمانوں کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ معاف کر دیا کریں اور برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہ دیں، مزید برآں یہ آیات اس شخص کی فضیلت کو واضح کرتی ہیں جو اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔ یہ ضابطہ، اسلام کی عظمت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام ایسے امور کی دعوت دیتا ہے جو معاشرے کے افراد کو باہم مضبوط و مربوط کر دیتے ہیں۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب لوگوں سے بڑھ کر عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے اوصاف سے متصف ہوں۔ ان میں معاف کر دینے کی خوبی اس لیے بھی ہونی چاہیے کہ لوگوں کی جانب سے سب سے زیادہ طعن و تشنیع کا سامنا بھی انھی کو کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾ ﴾

''یہ لوگ غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''[2]

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس میدان میں تقویٰ انھی اسباب و وسائل کے ساتھ کام کرتا ہے۔ کسی چیز سے متاثر ہو کر غصہ آ جانا ایک بشری تقاضا ہے۔ غصے کے ساتھ خون میں جوش پیدا ہوتا ہے اور یہ فطرتِ انسانی کا ایک تقاضا اور ضرورت ہے۔ اس کیفیت پر انسان صرف اس طہارت و لطافت کے ساتھ قابو پا سکتا ہے جو تقویٰ کے نور سے جنم لیتی ہے۔ اور

---

[1] تفسیر الطبری: 50/13۔ سورۃ الشوریٰ 40:42

[2] آل عمران 134:3

صرف اسی روحانیت سے کنٹرول کر سکتا ہے جو ہر قسم کی ذاتیات اور ضروریات سے بالا اور فیضان الٰہی کا کرشمہ ہو۔ غصہ پی جانا ابتدائی مرحلہ ہے اور یہ کافی نہیں کیونکہ بعض اوقات انسان اس لیے غصہ پیتا ہے تاکہ اپنے مقابل سے کینہ وبغض رکھے۔ اس طرح یہ ابتدائی غصہ گہری نفرت میں اور ظاہری غضب، پوشیدہ بغض و کینہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس بات پر آیت کریمہ ختم نہیں ہوگئی بلکہ اس انتہائی لطیف نکتے کی وضاحت تک اللہ کا فرمان جاری رہا کہ یہ پیا جانے والا غصہ آخرکار متقین کے دلوں میں معافی، درگزر اور خندہ روئی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ نفس جب غصہ پیتا ہے تو یہ اس پر بوجھ بن جاتا ہے۔ ایک ایسا شعلہ بن جاتا ہے جو دل کو جلا دیتا ہے، ایسا دھواں بن جاتا ہے جو ضمیر کو ڈھانپ دیتا ہے، لیکن جب نفس درگزر کرتا ہے، دل معاف کر دیتا ہے تو وہ اس بوجھ سے آزاد ہو جاتا ہے، دل میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے اور ضمیر پاک صاف ہو جاتا ہے۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح کی ہے جو مندرجہ ذیل اوصاف کے حامل ہیں۔ غصہ پی جانے والے، لوگوں کو معاف کر دینے والے، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کو سب لوگوں سے پہلے ان اوصاف سے متصف ہونا چاہیے۔ بردباری اور معافی کی دعوت دینے والی آیات تو بہت زیادہ ہیں، اختصار کی وجہ سے ہم ان ہی آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سی احادیث بھی وارد ہیں جن میں سے بعض کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوعبدالقیس کے سردار سے فرمایا:

---

[1] تفسیر فی ظلال القرآن: 475/1



«إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ: اَلْحِلْمُ وَالأَنَاةُ»

''تم میں دو ایسی خوبیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: وقار اور بردباری۔''①

سنن ابی داود کی روایت میں ہے کہ تم میں دو خوبیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، وقار اور بردباری۔ تو اس نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے خود یہ صفات پیدا کی ہیں یا اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق ہی ان صفات پر کی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلِ اللهُ جَبَلَكَ عَلَيْهِمَا ، قَالَ: الْحَمْدُ للهِ الَّذِي جَبَلَنِي عَلٰى خَلَّتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ وَرَسُولُهُ»

''اللہ تعالیٰ نے تیری تخلیق ہی ان صفات پر کی ہے۔ تو اس نے کہا، تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے ان دو صفات پر پیدا فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہیں۔''②

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرما دی ہے کہ اللہ تعالیٰ حلم اور وقار کو پسند کرتا ہے۔ اور سچا مسلمان وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے بردباری اور درگزر کی جو مثالیں قائم کی ہیں ان میں سے بہترین مثال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کی زندگی میں احد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ ، وَكَانَ أَشَدُّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ ، فَلَمْ

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله ورسوله......، حديث : 17

② سنن أبي داود، الأدب، باب قُبلَةِ الرَّجل، حديث :5225

يُجِبْنِي إِلٰى مَا أَرَدْتُّ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلٰى وَجْهِي، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَنَادَانِي، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ، قَالَ: فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَامُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبِّي إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ، فَمَا شِئْتَ؟ [إِنْ شِئْتَ] أَطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ الأَخْشَبَيْنِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَّنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

’’(احد کے دن سے بھی زیادہ تکلیف) مجھے تیری قوم سے ملی ہے۔ ان سے شدید ترین اذیت مجھے یوم عقبہ کو ملی، جب میں ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے پاس گیا تو اس نے مجھے میری چاہت کے مطابق جواب نہ دیا، میں پریشانی کی حالت میں رنجیدہ منہ چلتا ہوا وہاں سے لوٹا (مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں) جب قرن ثعالب مقام پر پہنچا تو ہوش آیا۔ میں نے سر اٹھایا تو اوپر ایک بادل تھا جس نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا: آپ کی قوم نے جو کچھ آپ سے کہا ہے اور جو جواب دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور پہاڑوں پر مامور فرشتے کو آپ کی جانب بھیجا ہے تاکہ جو آپ اپنی قوم کے بارے میں چاہتے ہیں اسے حکم دیں۔ تو مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز

17643



دی۔ مجھے سلام کیا اور کہا: اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے وہ بات سن لی ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کہی ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھے میرے رب نے آپ کی جانب بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے حکم دیں، اب آپ کیا چاہتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں انھیں دو پہاڑوں میں پیس دوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے افراد کو پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''[1]

یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ اس اخلاق، درگزر اور بردباری کو بیان کر رہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی تخلیق ہوئی کہ قوم کی جانب سے انتہائی سفا کی کے موقع پر پہاڑوں کا فرشتہ آتا ہے تاکہ آپ ﷺ کی خاطر انتقام لے اور وہ انتقام قوم کی ہلاکت ہی تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی نگاہ انتہائی دُور رس تھی۔ وہ موجودہ کیفیت کو نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ ان کی نگاہ بہت دور مستقبل پر تھی کہ شاید ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی عبادت کرنے والے ہوں اور آپ کا یہ فیصلہ عملاً درست نکلا، ان کی نسل سے ایسے ہزاروں لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے کامل انداز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بردباری اور عفوودرگزر کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرے اور اپنی موجودہ حالت کو نہ دیکھے کہ کسی مخاطب یا ایسے شخص سے انتقام لے جس نے اس کے امر و نہی کے جواب میں غلط ردعمل کا مظاہرہ کیا ہو۔ بلکہ وہ معاف کر دے، درگزر کرے اور بردباری کا مظاہرہ کرے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی معافی و درگزر اور اچھی گفتگو کی وجہ سے مخالف کو ایسی ہدایت دے جس کے بعد گمراہی نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم آمين، والملائكة في السماء فوافقت إحداهما الأخرى غفر له ما تقدم من ذنبه، حديث :3231 و صحيح مسلم، الجهاد، باب ما لقي النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث :1795

سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں:

«مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ، وَلَا امْرَأَةً، وَلَا خَادِمًا، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَمَا نِيلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ، فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهِ، إِلَّا أَنْ يَنْتَهِكَ شَيْئًا مِّنْ مَّحَارِمِ اللهِ، فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ»

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ نہ کسی عورت کو اور نہ کسی خادم کو سوائے اس حالت کے کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہوں۔ نہ کبھی ایسا ہوا کہ آپ پر زیادتی کی گئی ہو اور آپ ﷺ نے زیادتی کرنے والے سے انتقام لیا ہو سوائے اس صورت کے کہ اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جا رہا ہو۔ اس صورت میں آپ ﷺ اللہ کی خاطر انتقام لیتے تھے۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَّجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَهُ بِرِدَائِهِ جَبْذَةً شَدِيدَةً حَتّٰى نَظَرْتُ إِلٰى صَفْحَةِ عَاتِقِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَدْ أَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! مُرْ لِي مِنْ مَّالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ ضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ»

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ نے موٹے کناروں والی ایک نجرانی چادر لے رکھی تھی۔ آپ کو ایک اعرابی ملا۔ اس نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کو بری

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب مباعدتة للآثام واختياره من المباح أسهله......، حديث: 2328



طرح جھنجھوڑا۔ میں نے دیکھا کہ اس جھنجھوڑنے کی وجہ سے آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ پھر اس اعرابی نے کہا: اے محمد ﷺ! اللہ کا جو مال تیرے پاس ہے وہ مجھے دینے کے لیے حکم صادر کریں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے (اس کی بدتہذیبی پر) ہنسے، پھر آپ ﷺ نے اسے کچھ مال دینے کا حکم فرمایا۔''[1]

اس سے زیادہ اور کیا برداشت ہوسکتی ہے اور اس معافی سے بڑھ کر اور کیا معافی ہو سکتی ہے۔ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی چادر کو کھینچتا ہے اور گردن مبارک پر نشان ڈال دیتا ہے، آپ ﷺ اسے دیکھ کر مسکراتے ہیں اور نہایت وسعت قلبی اور سکون کے ساتھ اس کا مطالبہ بھی پورا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت کے لیے مہربان نبی پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے۔ جب اس طرح کا معاملہ نبی مکرم حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ کو پیش آ سکتا ہے جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور پھر بھی آپ ﷺ اسے برداشت کرتے ہیں اور عفوودرگزر سے کام لیتے ہیں تو امت میں کسی اور شخص کو بالاولی یہ معاملہ پیش آ سکتا ہے۔ خاص طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کو، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی حفاظت اور ان کی جانب عملی دعوت کے لیے خود کو وقف کرلیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل آپ سے پہلے انبیاء کا بھی اسلوب تھا جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَحْكِي نَبِيًّا مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأَدْمَوْهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهِ وَيَقُولُ: اللَّهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''میں اب بھی اس منظر کو دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کا

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب البرود والحبر والشملة، حديث: 5809

تذکرہ فرما رہے ہیں، جنھیں ان کی قوم نے مارا اور خون آلود کر دیا۔ وہ نبی اپنے چہرہ مبارک سے خون بھی صاف کر رہے تھے اور ساتھ یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ نادان ہیں۔"[1]

ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ بھی یہ صورت پیش آئی کہ آپ کی قوم نے آپ ﷺ کو مارا اور خون آلود کیا اور آپ ﷺ اپنے چہرہ مبارک سے خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کہ یہ حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ بے شک آپ ﷺ کی بردباری اور عفو و درگزر ہی نے آپ کو اپنی قوم کے لیے بددعا نہ کرنے دی اور اس چیز سے روکے رکھا کہ آپ ان کی ہلاکت و بربادی یا کسی انتقام کا اللہ سے سوال کریں اور پھر آپ نے ان کے برے طرز عمل کو صرف برداشت ہی نہیں کیا بلکہ ان کی معافی کی دعا کرنے لگے، یہ حلم و بردباری کی انتہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے نہ تو انتقام پسند کرتے ہیں اور نہ لوگوں کی ہلاکت و گمراہی چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو لوگوں کو دعوت دیتے ہی اس لیے ہیں کہ انھیں گمراہی سے نکالیں تا کہ وہ اللہ کے غضب اور عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس بنا پر وہ ان تمام تکالیف کو برداشت کرتے ہیں جو انھیں دعوت إلی اللہ کے سلسلے میں پیش آتی ہیں۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت اور طرز عمل کا گہرائی سے مطالعہ کریں پھر ان کے طرز عمل پر چلتے ہوئے وہ نتائج حاصل کریں جو ان انبیاء نے حاصل کیے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو توجہ دلاتے رہتے تھے کہ وہ برائی کا جواب برائی سے نہ دیں۔ آپ ہمیشہ انھیں معاف کرنے، حسن سلوک کرنے اور برداشت کرنے ہی کی دعوت دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نفوس کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے اصول کی

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، رقم الباب: 54، حدیث: 3477



بجائے معافی اور درگزر سے زیادہ اصلاح ہوتی ہے۔

کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض اقربا کی بدسلوکی کی شکایت کی حالانکہ وہ صحابی ان اقربا کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ اپنے حسن سلوک کو برقرار رکھو اور آخر میں اس کا نتیجہ بھی واضح فرما دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں لیکن وہ مجھ سے تعلق منقطع کرتے ہیں۔ میں ان سے اچھا سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان کی باتوں کو برداشت کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ جاہلانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ، فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ، مَّادُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»

”جیسا تو نے کہا ہے اگر ایسا ہی ہے تو گویا (اپنے رویے سے) تو انھیں بے زار اور غمگین کر رہا ہے اور جب تک تو اسی اسلوب پر رہے گا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے خلاف ایک مددگار تیرے ساتھ رہے گا۔“[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اور امت کے دوسرے لوگوں کو عفو اور درگزر ہی کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے جو مثالیں قائم کیں، ان میں سے ایک عمدہ ترین مثال یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ دشمن آپ کو قتل کرنے کی کوشش کرتے اور اعلانیہ اس کا اظہار بھی کرتے پھر وہ دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قابو میں آ جاتے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں معاف فرما دیتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، حديث: 2550

«أَنَّ امْرَأَةً يَهُودِيَّـةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِشَاةٍ مَّسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا فَجِيءَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَتْ: أَرَدْتُّ لأَقْتُلَكَ، قَالَ: مَا كَانَ اللهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلَيَّ، قَالَ: قَالُوا: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: لَا! قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ»

''ایک یہودی عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس زہر آلود بکری لے کر آئی۔ آپ نے اس میں سے کھا لیا (واقعہ کا علم ہونے کے بعد) اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے اس بارے میں سوال کیا تو عورت نے کہا: میں آپ کو مارنا چاہتی تھی۔ تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تجھے مجھ پر کبھی غالب نہیں کرے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: کیا ہم اس عورت کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پھر ہمیشہ اس زہر کا اثر رسول اللہ ﷺ کے حلق میں دیکھتا رہا۔''[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«أَنَّ يَهُودِيَّـةً مِّنْ أَهْلِ خَيْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَّصْلِيَّـةً، ثُمَّ أَهْدَتْهَا لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الذِّرَاعَ، فَأَكَلَ مِنْهَا، وَأَكَلَ رَهْطٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ مَعَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ، وَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْيَهُودِيَّـةِ فَدَعَاهَا، فَقَالَ لَهَا: أَسَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ؟ قَالَتِ الْيَهُودِيَّـةُ:

---

[1] صحيح البخاری، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب قبول الهدية من المشركين، حديث: 2617 و صحيح مسلم، السلام، باب السم، حديث: 2190 واللفظ له



مَنْ أَخْبَرَكَ؟ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي هٰذِهِ فِي يَدِي، الذِّرَاعُ. قَالَتْ: نَعَمْ! قَالَ: فَمَا أَرَدْتِّ إِلٰى ذٰلِكَ؟ قَالَتْ قُلْتُ: إِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَمْ يَضُرَّهُ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ نَّبِيًّا اسْتَرَحْنَا مِنْهُ، فَعَفَا عَنْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَمْ يُعَاقِبْهَا، وَتُوُفِّيَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ الَّذِينَ أَكَلُوا مِنَ الشَّاةِ، وَاحْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلٰى كَاهِلِهِ مِنْ أَجْلِ الَّذِي أَكَلَ مِنَ الشَّاةِ»

''خیبر کی یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری کو زہر آلود کیا پھر اسے رسول اللہ ﷺ کو بطور ہدیہ دے دیا۔ آپ ﷺ نے اس کی دستی پکڑی اور اس میں سے کچھ حصہ کھا لیا۔ آپ کے صحابہ میں سے بھی کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ کھایا، پھر آپ نے ان سے فرمایا، اپنے ہاتھ کھانے سے اٹھا لو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی عورت کی جانب کسی کو بھیجا اور اسے بلایا۔ پھر آپ نے اس سے دریافت فرمایا: ''کیا تو نے اس بکری کو زہر آلود کیا تھا''۔ یہودی عورت نے پوچھا آپ کو کس نے بتایا؟ تو آپ نے فرمایا: ''اس دستی نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔'' وہ بولی کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کہا کہ اگر وہ سچے نبی ہوں گے تو انھیں کوئی نقصان نہ ہوگا، اگر سچے نبی نہ ہوئے تو ہماری اس سے جان چھوٹ جائے گی۔ پس آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔ پھر آپ کے بعض وہ صحابہ فوت ہو گئے جنھوں نے یہ بکری کھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی گردن کے قریب پیٹھ پر سنگی لگوائی تا کہ اس بکری کا گوشت کھانے کا اثر زائل ہو جائے۔''[1]

---

[1] سنن أبي داود، الديات، باب فيمن سقى رجلا سُمًّا أو أطعمه فمات، أيقاد منه، حديث: 4510

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَهْدَتْ لَهُ يَهُودِيَّةٌ بِخَيْبَرَ بِشَاةٍ مَّصْلِيَّةٍ، نَحْوَ حَدِيثِ جَابِرٍ، قَالَ: فَمَاتَ بِشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُورٍ الأَنْصَارِيُّ، فَأَرْسَلَ إِلَى الْيَهُودِيَّةِ: مَا حَمَلَكِ عَلَى الَّذِي صَنَعْتِ؟ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ جَابِرٍ، فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُتِلَتْ»

''رسول اللہ ﷺ کو خیبر میں ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری ہدیہ دی، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ تو بشر بن البراء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ (اس بکری کا گوشت کھانے سے) فوت ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلایا اور کہا، تو نے یہ کام کیوں کیا؟ تو اس نے وہی جواب دیا جو جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔''[1]

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ الفاظ ہیں:

«فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصُلِبَتْ»

''رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو اسے سولی دے دی گئی۔''[2]

جب ہم پہلی روایات پر غور کرتے ہیں تو اس میں ہمیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا ہو۔ لیکن ابوداود کی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کر دیا تھا۔ ان دونوں روایات کو جمع کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے آپ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ معاف کر دیا کیونکہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا نہیں چاہتے تھے۔

---

① سنن أبي داود، الديات، باب فيمن سقى رجلا سُمًّا أو أطعمه فمات، أيقاد منه، حديث: 4511

② سنن الدار قطني، الحدود و الديات، حديث: 130



لیکن جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، تو پھر آپ نے اسے قصاص کے طور پر قتل کروایا۔[1]

اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ اس عورت کے بدترین عمل کے باوجود، کہ جس سے زیادہ برا عمل کوئی نہیں ہو سکتا اور وہ یہ کہ اس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا، بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور قتل نہیں کیا۔ لیکن بعد میں اپنے ایک صحابی کی موت کی وجہ سے اسے قصاصاً قتل کیا۔ یہ حدیث نہایت وضاحت کے ساتھ بردباری، معافی اور برائی کا بدلہ برائی کے بجائے احسان کے ساتھ دینے کی اس عظیم صورت کو بیان کر رہی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہوئی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوہ ہیں۔

معافی اور بردباری کسی کمزوری کی وجہ سے نہ ہو

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بردباری اور معافی کسی کمزوری، خوف اور بزدلی کی وجہ سے نہ ہو اس وقت بھی نہ ہو جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جا رہا ہو کہ وہ اپنی نظریں پھیر لے اور اسے مشروع بردباری اور مشروع معافی سمجھے۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اس کی حرمتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کے پامال ہوتے وقت غصہ آنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قابلِ تقلید مثال ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَٰتِ ٱللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُۥ عِندَ رَبِّهِۦ﴾

”جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرتا ہے یہ عمل اس کے لیے اس کے رب کے ہاں

---

[1] التعليق المغني على الدارقطني : 120/3

بہترین ہے۔''[1]

یعنی جو اللہ کی معصیت اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے اور ان چیزوں کا ارتکاب اس کے دل میں گراں گزرتا ہے تو اس شخص کے لیے خیر کثیر اور اجر عظیم ہے۔[2]

حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو البدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں فلاں آدمی کی وجہ سے صبح کی نماز میں پیچھے رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ ہمیں لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ ابومسعود کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ میں اس قدر غضب ناک ہوئے ہوں جس قدر اس روز ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ مِنْكُمْ مُّنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيُوجِزْ، فَإِنَّ مِنْ وَّرَائِهِ الْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ»

''اے لوگو! تم میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو دور بھگانے والے ہیں۔ تم میں سے جو بھی لوگوں کی امامت کرائے وہ اختصار کرے کیونکہ اس کے پیچھے بڑی عمر کے، ضعیف و ناتواں اور حاجت مند لوگ بھی ہیں۔''[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لائے۔ اس وقت میں نے ایک کھڑکی پر ایسا پردہ ڈالا ہوا تھا جس پر تصاویر تھیں۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو پھاڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، الَّذِينَ يُضَاهُونَ بِخَلْقِ اللهِ»

''قیامت کے دن ان لوگوں کو سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا جو خلق الٰہی کی نقل تیار

---

[1] الحج 30:22

[2] تفسیر ابن کثیر: 218/3، سورة الحج 30:22

[3] صحيح البخاري، الأذان، باب من شكا إمامه إذا طوّل، حديث: 704 وصحيح مسلم، الصلوة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلوة في تمام، حديث: 466 واللفظ له



کرتے ہیں۔''[1]

ان دونوں احادیث میں دلیل یہ ہے کہ اللہ کی حرمتوں کی پامالی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ فوراً متاثر ہو جاتے اور آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو اس چیز کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔



[1] صحیح البخاری، اللباس، باب ما وطئ من التصاویر، حدیث: 5954

باب :5





طبیعت میں اعتدال

چھان بین، ٹھہراؤ اور جلد بازی نہ کرنے کے اوصاف ایسے ہیں جن سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو لازماً متصف ہونا چاہیے کیونکہ ان صفات کو ترک کر دینے کا نتیجہ اپنے مقصد میں ناکامی اور اپنے مقام و مرتبہ میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے، اور جب اس کی متذکرہ صفات سے محرومی معروف ہو جائے تو پھر اس کی نصیحت کو پذیرائی حاصل نہیں ہوتی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے بعض لوگوں کو آج کل دیکھا گیا ہے کہ وہ اس اصول پر نہیں چلتے۔ جب انھیں کوئی شخص کسی برائی کے بارے میں خبر دیتا ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والا فوراً اس شخص کی سرزنش کر دیتا ہے جس کی طرف وہ برائی منسوب کی گئی ہو، حالانکہ بعض اوقات یہ خبر قابل اعتماد شخص کی طرف سے نہیں ہوتی یا محض بدظنی یا اندازہ وغیرہ ہوتا ہے۔ اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے سے غلطی کا ارتکاب ہو جاتا ہے اور اس کی غلطی لوگوں کے ہاں ناقابل معافی ہوتی ہے۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے پر لازم ہے کہ اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ ہو، وہ چھان بین کرے، اور تحقیق کرے جب پختہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر اس کی مذمت کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور شریعت نے اسے واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟﴾



”اے ایمان والو! جب تم زمین میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو۔“[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ ﴿ تَبَيَّنُوا ﴾ کا معنی کرتے ہیں: تَأَمَّلُوا، یعنی خوب سوچ بچار کر لیا کرو۔ مشہور قاری حمزہ نے اسے فَتَثَبَّتُوا، پڑھا ہے جس کے معنی ہیں خوب چھان بین کر لیا کرو۔[2]

اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”ایک آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ وہاں سے مسلمانوں کا ایک لشکر گزرا۔ اس شخص نے انھیں السلام علیکم کہا۔ انھوں نے اسے (دشمن سمجھتے ہوئے) قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہی آیت ﴿عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تک نازل فرمائی۔“[3]

جلد بازی ندامت ہے

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت کی مذمت کی کیونکہ انھوں نے جلد بازی کی اور اس آدمی کے معاملے کی تحقیق نہ کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ فَتُصْبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ ﴿٦﴾ ﴾

”اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو (کہیں ایسا نہ ہو کہ) لاعلمی میں کسی گروہ کو نقصان پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر تمھیں نادم ہونا پڑے۔“[4]

---

① النساء 94:4

② تفسیر الطبری: 337/5، سورۃ النساء 94:4

③ صحیح البخاری، التفسیر، باب ولا تقولوا لمن ألقی إلیکم السلام لست مومنًا، حدیث: 4591

④ الحجرات 6:49

پانچواں وصف: طبیعت میں اعتدال

اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ فاسق کی خبر کے سلسلے میں احتیاط کرتے ہوئے چھان بین کر لی جائے تا کہ کوئی اس کی بات کو بنیاد بنا کر فیصلہ نہ کر دے، ہوسکتا ہے کہ وہ واقعتاً جھوٹا ہو یا غلط فہمی کا شکار ہو۔ اس طرح اس کی بات کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرنے والا گویا اس کی پیروی کر رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فساد پھیلانے والوں کے طریقے کی پیروی سے منع فرمایا ہے۔[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان الفاظ سے مخاطب فرما رہا ہے جن کا سننا اسے بہت زیادہ پسند ہے۔ اور وہ ہے لفظ ایمان کے ساتھ انھیں پکارنا ﴿يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تا کہ وہ اپنی قوت سماعت کو اچھی طرح کھول لیں اور اللہ جل شانہ کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ وہ انھیں فرما رہا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقُۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ﴾

''اے مسلمانو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔''[2]

اگر کوئی آدمی تمھیں خبر دے اور تم اس آدمی کو اچھی طرح نہ جانتے ہو کہ وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں، تو سب سے پہلے اس کے معاملے کی چھان بین کرو کہ اس کی خبر سچی ہے یا جھوٹی، حقیقت ہے یا اندیشہ، تحقیق سے پہلے اس کی بات قبول نہ کرو۔ اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ تم بے گناہ لوگوں کو سزا دے ڈالو اور پھر بعد میں تمھیں اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْهَدْيَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ، وَالاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِّنْ خَمْسَةٍ وَّعِشْرِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ»

''اچھی سیرت، اچھا کردار اور میانہ روی نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک

---

① تفسیر ابن کثیر: 4/208، سورۃ الحجرات 6:49

② الحجرات 6:49



حصہ ہیں۔"[1]

حضرت عبداللہ بن سرجس المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ أَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ»

"اچھا کردار، طبیعت میں ٹھہراؤ اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہیں۔"[2]

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ اپنے باپ اور وہ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلأَنَاةُ مِنَ اللهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ»

"طبیعت میں ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور جلد بازی شیطان کی جانب سے ہوتی ہے۔"[3]

یہ احادیث جو پیارے رسول مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، یہ سب مسلمانوں کو طبیعت میں وقار اور ٹھہراؤ پیدا کرنے اور جلد بازی نہ کرنے کا حکم دیتی ہیں کہ عام طور پر ایسے شخص کو اپنے کیے پر نادم نہیں ہونا پڑتا، جبکہ جلد باز فوراً ندامت اٹھاتا ہے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کی اچھائیاں اور برائیاں ہم سے مخفی ہوتی ہیں۔ ایسے کام میں آگے نہیں بڑھنا چاہیے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ اس میں اچھائیاں موجود ہیں اور برائیوں سے پاک ہے یا اچھائیاں ان پر غالب ہیں۔ ایسے

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب في الوقار، حديث :4776 ومسند احمد :296/1

② جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء في التأني والعجلة، حديث : 2010

③ جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء في التأني والعجلة، حديث : 2012

ہی کام ہیں جن میں شریعت نے جلد بازی نہ کرنے کی تعریف کی ہے یہاں تک کہ اس کی بھلائی اور اچھائی واضح ہو جائے۔[1]

اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی برائی کی مذمت کرنے سے قبل چھان بین اور تحقیق کرے، پھر اس برائی کی مذمت کے سلسلے میں اپنا فرض ادا کرے۔



[1] قواعد الأحكام في مصالح الأنام لابن عبدالسلام: 85/1

باب :6





صبر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو جن اوصاف سے آراستہ ہونا چاہیے ان میں ایک اہم ترین وصف صبر ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو کئی طرح کی تکالیف اور اپنی جان ، مال اور عزت کے معاملے میں کئی طرح کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خاص طور پر جب وہ لوگوں میں اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے انتہائی کوشش کرے گا تو اسے صبر سے مسلح ہونے کی اشد ضرورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے صبر اس بات کا ضامن ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو اپنے اوامر ونواہی میں کامیاب بنائے۔

صبر کی لغوی تعریف

صبر کے معنی ہیں مضبوطی دکھانا اور گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار نہ کرنا اور سکون و اطمینان کے ساتھ انتظار کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اس معاملے میں صبر کیا، یعنی اسے برداشت کیا اور گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار نہیں کیا۔ اِصۡطَبَرَ کا معنی بھی صبر کرنا ہے۔ قرآن مقدس میں ہے:

﴿فَٱعۡبُدۡهُ وَٱصۡطَبِرۡ لِعِبَٰدَتِهِۦ﴾

''اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت کے سلسلے میں صبر کرو۔''[1]

مزید فرمانِ الٰہی ہے:

---

[1] مریم 65:19



﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾

''اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دو اور اس میں صبر کرو۔''①

[تَصَبَّرَ] کے معنی ہیں اپنے آپ کو صبر پر آمادہ کرنا۔②

امام جوہری کہتے ہیں کہ صبر کے معنی ہیں نفس کو اظہار غم سے روکنا۔ فلاں نے مصیبت کے وقت صبر کیا، یعنی اپنے آپ کو اظہار غم سے روکے رکھا۔ صَبَرْتُهُ أَنا کا معنی ہے میں نے اسے روک لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم﴾

''اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک کر رکھیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔''③

صبر کے ایک معنی ہیں کسی کو مشکل میں مبتلا کرنا۔ کہا جاتا ہے: صَبَرْتُ الدَّابَّةَ ''میں نے جانور کو بغیر چارہ کے محبوس رکھا۔''

اور صبر کے معنی یہ بھی ہیں کہ عقل اور شریعت جس کام کے کرنے کا تقاضا کریں اس پر نفس کو آمادہ کرنا اور جس کام سے رکنے کا تقاضا کریں اس سے نفس کو روک لینا۔④

''لسان العرب'' میں ہے: صَبَرَهُ عَنِ الشَّيْءِ يُصَبِّرُهُ صَبْرًا یعنی اس کو اس سے روک لیا۔ صبر کے ایک معنی ہیں انسان کا لڑائی کے لیے بہادری دکھانا۔ صبر کے اصل معنی ہیں روکنا، جو کسی چیز کو روکتا ہے گویا اس نے اس پر صبر کیا۔⑤

اَلصَّبِرُ باء کے کسرہ کے ساتھ، اس کے معنی ہیں ایک کڑوی دوا۔⑥

---

① طٰهٰ 132:20

② المعجم الوسيط :525/1

③ الكهف 28:18

④ المفردات في غريب القرآن، الراغب الأصفهاني، ص :273

⑤ لسان العرب، ابن منظور:438/4

⑥ الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية :707،706/2

اَلصَّبُوْر کے معنی ہیں بردبار، جو خطا کاروں کو فوراً سزا نہ دے بلکہ معاف کر دے اور مہلت دے۔[1]

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو وصیتیں فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید میں نقل فرمایا ہے، حضرت لقمان نے کہا:

﴿يَـٰبُنَىَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿١٧﴾﴾

''اے بیٹے! نماز قائم کر، بھلائی کا حکم دے، برائی سے منع کر، پھر تجھے جو تکالیف آئیں اُن پر صبر کر، یہ بات عزیمت والے امور میں سے ہے۔''[2]

صبر کی حقیقت

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صبر قلبی اوصاف میں سے ایک بہترین وصف ہے جس کی وجہ سے وہ ہر ایسے کام سے رک جاتا ہے جو حسین و جمیل نہ ہو۔ اور یہ قلبی طاقتوں میں سے ایک طاقت ہے جس پر اس کے معاملات اور احوال کی درستی کا دارومدار ہے۔''[3]

جنید بن محمد رحمہ اللہ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''صبر یہ ہے کہ چہرے پر تیوری چڑھائے بغیر کڑوی چیز نگل لو۔''

ذوالنون کہتے ہیں صبر یہ ہے:

---

[1] القاموس المحیط: 67/2

[2] لقمان 17:31

[3] عدة الصابرين و ذخيرة الشاكرين، ص : 14



"گناہوں سے دور رہنا، آزمائشوں میں تکالیف برداشت کرتے وقت پرسکون ہونا اور اقتصادی میدان میں فقیری کے ہوتے ہوئے غِنٰی کا اظہار کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صبر مصائب کے باوجود حسن ادب سے پیش آنے کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبر کے معنی ہیں مصائب کے زمانہ میں شکوہ وشکایت کیے بغیر [غِنٰی] کا اظہار۔ [خَوّاص] کہتے ہیں کہ صبر سے مراد ہے کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "صبر ایک ایسی سواری ہے جو کبھی اوندھے منہ نہیں گرتی۔"

ابو محمد الجریری کہتے ہیں، صبر یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت میں فرق نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دونوں حالتوں میں دلی اطمینان ہو۔ ①

صبر کی حقیقت کے سلسلے میں اسلاف کے اقوال سے اس کی عظمت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ایک اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔ اسے وہی حاصل کر سکتا ہے جو کڑوا پیالہ پیے گا اور اسے اللہ کی توفیق حاصل ہوگی۔ صبر کی حقیقت کے سلسلے میں بعض تعریفوں میں مبالغہ ہے، جیسے ابو محمد الجریری کا قول: "صبر یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت میں فرق نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دونوں حالتوں میں دلی اطمینان ہو۔"

یہ قول اس فطرت الٰہی کے خلاف ہے جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کی ہے اس لیے کہ دل مسرت دینے والی چیز سے خوش ہوتا ہے اور تکلیف دینے والی چیز سے غمگین ہوتا ہے، کسی بھی انسان کے لیے ان دونوں حالتوں میں یکساں ہونا ممکن نہیں۔ مطلوب ومرغوب تو صرف یہ بات ہے کہ ناپسندیدہ حالات میں صبر وبرداشت سے کام لیا جائے اور آہ وزاری نہ کی جائے۔

---

① أحكام القرآن للقرطبی : 173/2

صبر کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن عزیز میں کئی مقامات پر اور مختلف مناسبتوں کے لحاظ سے صبر کا تذکرہ کیا ہے اور ایسا صرف اس کی فضیلت، عظمت اور فوائد کی وجہ سے کیا ہے۔ صبر کی فضیلت اور اس کے نہایت عالی درجہ ہونے کے کچھ دلائل ہم کتاب وسنت اور اقوال سلف سے یہاں بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى ٱلْخَـٰشِعِينَ ﴿٤٥﴾﴾

''صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد طلب کرو۔ یہ بڑی چیز ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں)۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی جن بھلائیوں کے حصول کی خواہش کر رہے ہیں اس سلسلے میں صبر اور نماز کے ساتھ اعانت طلب کریں۔''[2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَـٰزَعُوا۟ فَتَفْشَلُوا۟ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَٱصْبِرُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّـٰبِرِينَ ﴿٤٦﴾﴾

''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمھارا رعب ختم ہو جائے گا۔ اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر

---

[1] البقرة 45:2

[2] تفسیر ابن کثیر:87/1، سورة البقرہ 45:2



کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"①

اللہ تعالیٰ نے جنگ کی سختیوں پر مسلمانوں کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور انھیں بتایا ہے کہ جو لوگ ہر اس معاملے میں جس میں صبر کیا جا سکتا ہے، صبر کرتے ہیں میں (اللہ) ان کے ساتھ ہوتا ہوں۔②

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾﴾

"(اے نبی ﷺ!) صبر کیجیے اور اللہ کی مدد ہی سے آپ صبر کر سکتے ہیں اور ان کے حال سے رنجیدہ نہ ہوں اور جو مکر و فریب یہ کرتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔"③

اور فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾﴾

"آپ صبر کیجیے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے آپ کو وہ لوگ ہلکا (بے صبرا) نہ کریں جو یقین نہیں رکھتے۔"④

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دشمن کی مخالفت اور عناد پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف تمھاری مدد کا اور دنیا و آخرت میں تمھاری اور تمھارے

---

① الأنفال 46:8

② فتح القدير للشوكاني : 315/2

③ النحل 127:16

④ الروم 60:30

پیروکاروں کی بہترین عاقبت کا جو وعدہ کیا ہے، بے شک وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾﴾

''(اے نبی ﷺ!) پس صبر کیجیے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو (عذاب کے) وعدے ہم نے ان (دشمنوں) سے کیے ہیں ان میں سے کچھ ہم آپ کو دکھا دیں گے۔ اگر ہم آپ کو (ان وعدوں کے پورا ہونے سے پہلے) اٹھالیں تو پھر بھی یہ ہماری ہی طرف لوٹ کر آئیں گے۔'' [2]

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو اس وقت تک صبر کرنے کا حکم ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا نہیں ہو جاتا کیونکہ اس کا وعدہ بلا شک وشبہ سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾

''پس آپ بھی صبر کریں جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔'' [3]

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''گویا اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرما رہا ہے کہ صبر کرو، یعنی جن آزمائشوں میں آپ ﷺ کو مبتلا کیا گیا ہے ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدق ایمانی کی طرح آپ بھی صدق ایمانی کا مظاہرہ کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتماد کی طرح آپ بھی اپنے آقا کی نصرت پر اعتماد کریں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فکر کی طرح آپ بھی اپنی گزشتہ لغزشوں کی فکر کریں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کی طرح آپ بھی دنیا سے زہد کا

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 581/3، سورۃ الروم 30: 60

[2] غافر 40:77 [3] الأحقاف 46:35



مظاہرہ کریں۔"①

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ پیش آمدہ مصائب پر اسی طرح صبر کریں جس طرح "اولوالعزم رسولوں" نے صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾﴾

"اپنے رب کے فیصلے کے انتظار میں صبر کیجیے۔ بے شک آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔ جب آپ کھڑے ہوں تو اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کیجیے۔"②

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿٥﴾﴾

"(اے نبی!) آپ صبر جمیل سے کام لیجیے۔"③

(مخالفوں کی) تکذیب اور استہزا پر اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی آہ و زاری اور شکایت کے صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔④

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾﴾

"وہ (دشمن) جو باتیں کہتے ہیں ان پر صبر کیجیے اور ان سے اچھے انداز میں الگ ہو جائیے۔"⑤

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾﴾

---

① الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي : 221/16، سورة الأحقاف 35:46

② الطور 48:52 ③ المعارج 5:70

④ تفسير نسفي : 290/4

⑤ المزمل 10:73

''اور اپنے رب کی خاطر (مصائب پر) صبر کیجیے۔''[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ ءَاثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾﴾

''پس اپنے رب کے فیصلے کے انتظار میں صبر کیجیے اور ان (کافروں) میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی بات مت مانیے۔''[2]

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اقامت صلوۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلے میں پیش آمدہ تکالیف پر صبر کرنے کا حکم دیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا:

﴿يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿١٧﴾﴾

''اے میرے بیٹے! نماز قائم کر، بھلائی کا حکم دے، برائی سے روک اور اس سلسلے میں تجھ پر جو تکالیف آئیں ان پر صبر کر، بے شک یہ عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''[3]

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت ﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس فرمان کا مقصد برائی ختم کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ خواہ ایسا کرنے سے نقصان ہو۔ گویا یہ اس جانب اشارہ ہے کہ برائی کا خاتمہ کرنے والے کو بعض اوقات تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] المدثر 74:7

[2] الإنسان 76:24 [3] لقمان 31:17

[4] الجامع لأحكام القرآن: 14/68، سورة لقمان 31: 17



﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾﴾

''اے ایمان والو! (ہر حال میں) صبر کرو اور (دشمن کے مقابلے میں بھی) صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھو اور (جہاد کے لیے) ہمیشہ مستعد رہو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''①

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''تکالیف کے مقابلے میں اپنے آپ کو آہ وزاری سے روکے رکھو۔ یہ بات واضح ہے کہ اس سے صبر کی تینوں معروف اقسام مراد ہیں۔ مصائب پر صبر کرنا۔ اطاعت پر صبر کرنا۔ گناہ سے بچنے پر صبر کرنا۔ اور ﴿صَابِرُوا﴾ کے معنی ہیں اللہ کے دشمنوں سے جنگ کے وقت جنگ کی تکالیف پر دشمن سے بڑھ کر صبر کرو۔''②

اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قوم اور اولاد کو صبر کا حکم دیا کرتے تھے کیونکہ ان کی زندگی میں یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد طلب کرنے اور تکالیف پر صبر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

﴿قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱللَّهِ وَٱصْبِرُوٓا۟ ۖ إِنَّ ٱلْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۖ وَٱلْعَـٰقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾﴾

''موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، بے شک ساری زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام صرف تقویٰ اختیار کرنے والوں ہی کا ہے۔''③

---

① آل عمران 200:3

② روح المعانی : 175/4، سورۂ آل عمران 3: 200

③ الأعراف 128:7

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والا جب مذکورہ بالا آیات پر غور کرے گا تو فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ آیات صبر کرنے اور تکالیف و مصائب برداشت کرنے کا حکم دیتی ہیں، اگرچہ دل نہ چاہتا ہو لیکن اس کا انجام بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ صبر کا لباس اوڑھے رکھے۔ اس وجہ سے ان شاء اللہ اسے ضرور معاونت حاصل ہوگی۔ قرآن حکیم میں کئی دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ صبر کامیابی کا سبب ہے اور یہ عزم و ہمت والے امور میں سے ہے:

﴿وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾

''اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی چالیں تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔''[1]

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ (اہل ایمان کو) سمجھا رہا ہے کہ برے لوگوں کی برائی اور بدکاروں کی سازشوں سے محفوظ رہنے کے لیے صبر، تقویٰ اور اس اللہ پر توکل کو بروئے کار لائیں جو ان کے دشمنوں کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے سوا وہ کہیں سے قوت حاصل نہیں کر سکتے، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو وہ نہ چاہے، وہ نہیں ہو سکتا۔''[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾﴾

---

[1] آل عمران 120:3

[2] تفسیر ابن کثیر: 399/1، سورۃ آل عمران 3: 120



''تمھارے مال اور جانوں کے سلسلے میں تمھاری آزمائش ضرور ہوگی اور وہ لوگ جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان سے اور شرک کرنے والوں سے تم یقیناً تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ (اسلوب) عزیمت والے امور میں سے ہوگا۔''①

امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ وہ تکالیف برداشت کریں اور ان پر صبر کرنے کے لیے خود کو اس طرح آمادہ کریں کہ جب انھیں تکالیف پہنچیں تو وہ (ذہنی طور پر) اس کے لیے تیار ہوں۔ اس سے انھیں وہ اذیت نہیں ہوگی جو اذیت اس شخص کو پہنچتی ہے جس پر تکالیف اچانک حملہ آور ہوں اور وہ اس کے لیے تیار نہ ہو تو اس کا نفس تنگی محسوس کرتا ہے۔''②

اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے تاکہ یہ بات اس کے علم میں رہے کہ اس کا راستہ تکالیف سے خالی نہیں ہے اور اسے صبر کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿٤٣﴾﴾

''جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ کام عزیمت والے امور میں سے ہے۔''③

صبر کرنے پر انبیاء اور رسولوں کی مدح

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

① آل عمران 186:3

② تفسیر النسفی: 199/1، سورۃ آل عمران 3: 186

③ الشوریٰ 43:42

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا۟ عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا۟ وَأُوذُوا۟ حَتَّىٰٓ أَتَىٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَـٰتِ ٱللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِن نَّبَإِى۟ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾﴾

''آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انھوں نے اپنی تکذیب اور تکلیف دیے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری نصرت ان تک آ پہنچی۔ اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں۔''①

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسولوں کی بات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَـٰكِنَّ ٱللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۖ وَمَا كَانَ لَنَآ أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَـٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى ٱللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَآ ءَاذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ﴿١٢﴾﴾

''ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تو محض تم جیسے انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (اسے رسالت دے کر) احسان کر دیتا ہے۔ ہمیں یہ طاقت حاصل نہیں ہے کہ اللہ کے اذن کے بغیر تمھارے پاس (تمھاری مطلوبہ) کوئی دلیل لاسکیں اور ایمان والوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ اور ہم کیوں نہ اللہ پر توکل کریں جب کہ وہ ہمیں ہمارے راستے دکھا چکا ہے، تم ہمیں جو تکالیف دیتے ہو ہم اس پر ضرور صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو صرف اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔''②

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

① الأنعام 34:6 ② إبراهيم 14:11-12



﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾﴾

''جب انھوں (اہل کتاب) نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے (بعض) رہنما (امام) بنا دیے، وہ ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت دیتے تھے اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔''[1]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾﴾

''بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، وہ کتنا اچھا بندہ تھا، بلاشک وہ (رب کی طرف) بہت زیادہ رجوع کرنے والا تھا۔''[2]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی تعریف فرمائی ہے کیونکہ وہ وصف صبر سے متصف تھے۔

صابرین کا مقام و مرتبہ اور ان سے بھلائی کا وعدہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾﴾

''اور صبر کرنے والوں کو بشارت دیجیے، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان پر جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی جانب

---

[1] السجدة 24:32 [2] ص 44:38

پلٹنے والے ہیں۔ انھی لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں اور مہربانیاں ہوں گی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے ہدایت یافتہ ہونے کی شہادت کے علاوہ انھیں اپنی رحمتوں اور مہربانیوں کی بشارت بھی دی ہے۔ اس طرح ان کے لیے وہ اجر جمع فرما دیا جو دوسروں کے لیے نہیں فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَالصَّٰبِرِينَ فِي ٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَحِينَ ٱلْبَأْسِ ۗ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ صَدَقُوا۟ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ ﴾

''اور سختیوں، تکالیف اور جنگ کے وقت صبر کرنے والے، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لفظ ﴿الصابرین﴾ کو مدح کی وجہ سے اور ان جیسے حالات میں ان کی شدت و صعوبت کے باوجود صبر کی ترغیب دینے کے لیے نصب دیا گیا ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ هَاجَرُوا۟ فِى ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا۟ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ ٱلْءَاخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ ٱلَّذِينَ صَبَرُوا۟ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾ ﴾

''اور جن لوگوں نے ظلم اٹھانے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کی، ہم انھیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی زیادہ ہوگا۔ کاش ان لوگوں کو اس کا علم

---

[1] البقرۃ 2:155، 157 [2] البقرۃ 2:177

[3] تفسیر ابن کثیر:1/208، سورۃ البقرۃ 2: 177



ہوتا۔ (ہجرت کرنے والے لوگ وہ ہیں) جنھوں نے صبر کیا اور وہ صرف اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محققین کا قول ہے کہ بہترین لوگ وہ ہیں جب انھیں کوئی تکلیف آتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور اگر کسی کام سے عاجز ہوں تو توکل کرتے ہیں۔''[2]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ صبر کرنے اور اللہ پر توکل کرنے کی وجہ سے ان کے لیے دنیا میں بھلائیاں ہیں اور آخرت میں بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾﴾

''جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور صبر کرنے والوں کو ہم ان کے اچھے کاموں کا اجر ضرور دیں گے۔''[3]

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾﴾

''آج میں نے انھیں ان کے صبر کا اجر دیا ہے کہ وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''[4]

ان کے صبر کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ

---

① النحل 16:41-42

② تفسیر قرطبی: 107/10، سورۃ النحل 16:41-42

③ النحل 16:96 ④ المؤمنون 23:111

فرماتا ہے:

﴿أُوْلَٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ ٱلْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُواْ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَٰمًا ﴿٧٥﴾﴾

''ان لوگوں (عبادالرحمٰن) کو ان کے صبر کے بدلے میں (جنت کے) بالا خانے دیے جائیں گے اور (وہاں) ان کا دعا اور سلام کے ساتھ استقبال کیا جائے گا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ ان کے لیے بلند درجہ ہے اور وہ جنت کا سب سے بلند اور افضل مقام ہے۔[2]

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾﴾

''صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ دیگر اعمال کے برعکس ان کا اجر لامحدود ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَوَاصَوْاْ بِٱلصَّبْرِ وَتَوَاصَوْاْ بِٱلْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُوْلَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾﴾

''پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لاتے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔''[4]

تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کی وجہ سے انھیں خوش بختی والا بنا دیا۔

---

[1] الفرقان 75:26

[2] تفسیرالقرطبی: 83/13، سورۃ الفرقان 26: 75

[3] الزمر 10:39 [4] البلد 90:17-18



اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾

''یہ لوگ اپنے کیے ہوئے صبر کے بدلے میں دوہرا اجر پائیں گے۔''[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ان کا ثواب دوگنا کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام آیات صبر کرنے کی ترغیب دے رہی ہیں اور اسی کا ذوق وشوق دلا رہی ہیں۔

صابرین سے اللہ تعالیٰ کی محبت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٦﴾﴾

''اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے اور کسی کی عظمت اور بلندی کے لیے یہی کافی ہے کہ اُسے اللہ اپنا محبوب بنا لے۔ صبر کرنے والے کو اللہ کی معیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾﴾

''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[3]

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ ہو تو پھر اُسے کس چیز کا خوف ہو سکتا ہے۔ علامہ علی الدقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''صبر کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی عزت حاصل ہو جاتی ہے،

---

① القصص 54:28 ② آل عمران 146:3

③ البقرة 153:2

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کر لیتے ہیں۔''[1]

صبر کرنے والوں کو اپنے صبر کی وجہ سے یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ جنت میں فرشتے انھیں سلام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَٰمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى ٱلدَّارِ ﴿٢٤﴾﴾

''ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے کہ) تمھارے صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلامتی ہے اور کتنا اچھا ہے آخرت کا گھر۔''[2]

صبر کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی ترغیب دینے والی آیات بہت زیادہ ہیں، جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ محض اشارات ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے سامنے ایک راستہ کھولتے ہیں تاکہ وہ صبر کو زادِ راہ بنائے اور اپنی دعوت کے سلسلے میں ان سے معاونت حاصل کرے۔

صبر کی ترغیب احادیث کی روشنی میں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس آئے جو اپنے بچے (کی وفات) پر رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي، فَقَالَتْ: وَمَا تُبَالِي بِمُصِيبَتِي؟ فَلَمَّا ذَهَبَ، قِيلَ لَهَا: إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَأَخَذَهَا مِثْلُ الْمَوْتِ، فَأَتَتْ بَابَهُ، فَلَمْ تَجِدْ عَلَى بَابِهِ بَوَّابِينَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَمْ أَعْرِفْكَ، فَقَالَ:

---

[1] عدة الصابرين و ذخيرة الشاكرين، لابن القيم، ص: 75

[2] الرعد 13:24-23



إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ»

''اپنے اندر تقویٰ پیدا کر اور صبر کر۔'' تو اس عورت نے کہا کہ آپ کو میری مصیبت کا کیا اندازہ ہے؟ جب آپ ﷺ چلے گئے تو اس عورت کو بتایا گیا کہ وہ اللہ کے رسول (ﷺ) تھے تو اس عورت پر موت کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر وہ آپ ﷺ کے دروازے پر آئی۔ وہاں کوئی دربان نہیں تھے۔ اُس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صبر تو صرف وہی ہے جو صدمہ کے آغاز پر کیا جائے۔''[1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بہت سے مسائل اخذ ہوتے ہیں:

- مصائب پر صبر کرنا واجب ہے اور یہ اس تقوے کا جز ہے جس تقوے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔
- بھلائی کا حکم اور برائی کی ممانعت کرتے رہنا چاہیے۔ مصائب کی تکلیف اور ان کی شدت اس کام میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔
- امر و نہی کا کام بار بار کرنا چاہیے تا کہ آدمی اپنے رب کے سامنے بری الذمہ ہو سکے۔[2]

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ سے ڈریں، مصائب کے وقت صبر کریں اور مصائب انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے غافل نہ کر دیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کن لوگوں پر سب سے زیادہ آزمائش آتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الصَّالِحُونَ، ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ مِنَ النَّاسِ، يُبْتَلَى

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب زيارة القبور، حديث: 1283 وصحيح مسلم، الجنائز، باب في الصبر على المصيبة عند الصدمة الأولى، حديث: 926 واللفظ له

[2] عدة الصابرين و ذخيرة الشاكرين، لابن القيم: 81

الرَّجُلُ عَلٰی حَسَبِ دِینِهِ ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صَلَابَةٌ زِيدَ فِي بَلَائِهِ ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ خُفِّفَ عَنْهُ ، وَمَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَمْشِيَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ لَيْسَ عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ»

''انبیاء کو پھر نیک لوگوں کو پھر درجہ بہ درجہ ان کو جو ان جیسا ہو، آدمی کو اس کے دین کے لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر اس کا دین مضبوط ہوگا تو آزمائش بھی زیادہ ہوگی، اگر دین کمزور ہوگا تو آزمائش ہلکی ہوگی۔ مومن بندے پر مسلسل آزمائشیں آتی ہیں یہاں تک کہ وہ ایسے ہو جاتا ہے کہ زمین پر چلتا ہے اور اس کا (نامۂ اعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا ، يُصِبْ مِنْهُ»

''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔''[2]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَّصَبٍ، وَّلَا نَصَبٍ، وَّلَا سَقَمٍ، وَّلَا حَزَنٍ، حَتَّى الْهَمِّ يُهَمُّهُ إِلَّا كُفِّرَ بِهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِ»

---

① جامع الترمذی، الزھد، باب فی الصبر علی البلاء، حدیث : 2398 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب الصبر علی البلاء، حدیث :4023 و مسند أحمد :172/1 واللفظ له

② صحیح البخاری، المرض، باب ماجاء فی کفارة المرض، حدیث : 5645 ومسند أحمد :237/2



"مومن کو جو تکلیف، مشقت، بیماری یا غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ کوئی بھی بے چینی جو اسے پریشان کردے، ان سب کی وجہ سے اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔"①

یہ احادیث بتاتی ہیں کہ ایمان کی مضبوطی اور کمزوری کے لحاظ سے مسلمان پر آزمائش اور امتحان آتے رہتے ہیں۔ اگر وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اور خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔ اگر یہ آزمائشیں عام لوگوں پر آ سکتی ہیں تو ان سے بڑھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے پر آ سکتی ہیں۔ اس لیے اسے سب سے بڑھ کر صبر و احتساب کرنا چاہیے، خاص طور پر ان تکالیف میں جو اسے امر و نہی کے کام کی وجہ سے پیش آئیں۔ سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے:

«إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَّضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ»

"جتنی بڑی آزمائش ہوگی اتنا زیادہ اجر و ثواب ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، جو اس پر راضی رہے اسے اللہ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے اور جو اس پر غصے کا اظہار کرے اس پر اللہ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔"②

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

---

① صحيح البخاري، المرض، باب ماجاء في كفارة المرض، حديث :5641-5642 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض أو حزن أو نحو ذلك حتى الشوكة يشاكها، حديث :2573 واللفظ له

② جامع الترمذي، الزهد، باب في الصبر على البلاء، حديث :2396 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب الصبر على البلاء، حديث :4031

«مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ»

''مومن مرد یا عورت پر اس کی ذات، اولاد یا مال کے سلسلے میں جو آزمائشیں آتی رہتی ہیں (ان کی وجہ سے وہ یوں ہو جاتا ہے کہ) جب اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات ہوگی تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔''[1]

ان دونوں احادیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ انسان اپنی ذات، مال اور اولاد کے سلسلے میں مبتلائے آزمائش رہتا ہے، اگر مسلمان اجر وثواب کی نیت رکھے تو جتنی بڑی آزمائش ہوگی اتنا بڑا اجر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا، یہاں تک کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عطا فرما دیا۔ انھوں نے پھر مانگا، آپ نے پھر عطا فرما دیا۔ انھوں نے پھر مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرما دیا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، ختم ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا:

«مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ، وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ، وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَّأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ»

''میرے پاس جو مال ہوتا ہے میں اسے تم سے بچا کر نہیں رکھتا اور جو شخص (سوال کرنے سے) بچنا چاہتا ہے، اللہ اسے بچا لیتا ہے اور جو شخص مستغنی ہونا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے غِنا عطا کر دیتا ہے اور جو شخص صبر کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے۔ صبر سے بہتر اور اس سے زیادہ وسعت والا کوئی عطیہ نہیں ہے جو اللہ

[1] جامع الترمذی، الزھد، باب الصبر علی البلاء، حدیث: 2399



تعالیٰ کسی کو عطا فرماتا ہو۔"[1]

اس صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ عفت واستغنا اور صبر ایسی صفات ہیں جو اپنے اندر پیدا کی جاسکتی ہیں اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان عظیم صفات سے آراستہ ہو کیونکہ اس کے امر ونہی کے کام کی کامیابی کے لیے یہ صفات بے حد تاثیر رکھتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں سواری پر نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے بچے یا (یہ فرمایا) اے پیارے بچے! کیا میں تجھے چند ایسے کلمات نہ سکھا دوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے؟ تو میں نے کہا کیوں نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِحْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ، تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ، يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ، فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا، أَرَادُوا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَكْتُبْهُ اللهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ، وَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَكْتُبْهُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا، وَّأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا»

"اللہ کے اوامر ونواہی کو یاد رکھ، اللہ تعالیٰ تجھے (دنیاوی واخروی آفات سے) محفوظ

[1] صحيح البخاري، الزكوٰة، باب الاستعفاف عن المسألة، حديث: 1469، وصحيح مسلم، الزكوٰة، باب فضل التعفف والصبر والقناعة والحث على كل ذلك، حديث: 1053 و مسند أحمد: 93/3

رکھے گا۔ اللہ کو (ہمیشہ) یاد رکھ، تو اسے (ہمیشہ) اپنے سامنے پائے گا۔ تو خوشحالی میں اس سے تعلق رکھ، تنگ دستی میں وہ تجھ سے تعلق رکھے گا۔ جب بھی تجھے (کچھ) مانگنا ہو تو صرف اللہ سے مانگ۔ جب تجھے مدد کی ضرورت ہو تو صرف اللہ سے مدد مانگ۔ جو کچھ ہونے والا ہے (تقدیر کے) قلم وہ لکھ چکے ہیں۔ اگر ساری مخلوق مل کر تجھے کسی ایسی چیز کا فائدہ پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے نہیں لکھا تو وہ سب مل کر بھی ایسا نہ کر سکیں گے۔ اور اگر وہ تجھے کسی ایسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے تیرے خلاف نہیں لکھی تو وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ یہ بات جان لے کہ وہ امور جنھیں تو ناپسند کرتا ہے ان پر صبر کرنا خیر کثیر کا باعث ہو گا۔ بے شک کامیابی صبر کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور آسائش، تکلیف برداشت کرنے ہی پر ملتی ہے اور یقیناً مشکلات کے ساتھ ہی آسانیاں ہوتی ہیں۔''[1]

یہ عظیم وصیت جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو کی ہے، درحقیقت یہ تمام امت کے لیے بالعموم، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کے لیے بالخصوص ہے۔ اس وصیت میں ایسے عظیم امور بیان کیے گئے ہیں کہ اگر مسلمان اس پر عمل کرے تو اسے دنیا و آخرت میں سعادت و راحت حاصل ہو گی۔ ان عظیم امور میں سے چند ایک یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ کے احکامات کو یاد رکھنے کا التزام۔
- جو خوشحالی میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے، تنگ دستی میں اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔
- جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے لاتعلق ہو کر صرف اس کی امید کرنا جو اللہ کے پاس ہے۔

---

[1] منسد أحمد 308,307/1:



- صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔
- اولادِ آدم کو جو بھی خیر یا شر ملتا ہے وہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور ان امور سے فراغت پائی جا چکی ہے۔
- مخلوق نہ نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ لوگوں کا نفع ونقصان اس چیز کے مطابق ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے لیے لکھ دیا ہے۔
- صبر کامیابی کا وسیلہ ہے۔
- تنگی ومشکل کے بعد آسائش وآسانی ہوتی ہے۔[1]

مذکورہ بالا فوائد کے علاوہ بھی صبر کے بے شمار فائدے ہیں۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان امور کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور ان پر عمل کرے۔

صبر کے بارے میں علماء کے اقوال

امام قرطبی رحمہ اللہ ابن جریج کے واسطے سے امام مجاہد رحمہ اللہ سے سورۂ یوسف کی آیت ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ میں کسی سے اس کا شکوہ نہیں کروں گا۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اسے اس کی ذات، اولاد یا مال کے سلسلے میں کوئی ناپسندیدہ چیز (مصیبت) پیش آئے تو وہ صبر جمیل سے اس کا سامنا کرے اور وہ مصیبت نازل کرنے والے کے سامنے سر تسلیم خم کر دے جو بہت زیادہ علم وحکمت والا ہے اور وہ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی

[1] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''جامع العلوم والحکم'' لابن رجب :1/459 تا495

اقتدا کرے۔''[1]

یزید بن میسرۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نہ تو وہ نعمت نقصان دہ ہوتی ہے جس کے ساتھ شکر ادا کیا گیا ہو اور نہ وہ مصیبت نقصان دہ ہوتی ہے جس پر صبر کیا گیا ہو۔''[2]

امام مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم نے اپنی اچھی زندگی صبر کی وجہ سے پائی۔''[3]

وکیع رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ سے اور وہ ابوالسفر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو لوگ ان کی عیادت کو گئے اور ان سے کہا کہ ہم آپ کے لیے کسی طبیب کو نہ بلا لیں۔ انھوں نے کہا، مجھے طبیب نے دیکھ لیا ہے۔ لوگوں نے کہا۔ پھر اس نے کیا کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے کہا ہے: إِنِّي فَعَّالٌ لِّمَا أُرِيدُ ''میں جو چاہتا ہوں وہ کر گزرنے والا ہوں۔''[4]

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بھلائی کے خزانوں میں سے صبر ایک ایسا خزانہ ہے جو اللہ تعالیٰ صرف اسی بندے کو عطا فرماتا ہے جو اس کے ہاں عزت و مرتبے والا ہوتا ہے۔''[5]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرنے کے بعد واپس لے لے اور اس

---

① الجامع لأحكام القرآن 246/9 تفسير سورة يوسف، آيت: 183

② كتاب الزهد: 534 رقم: 2289

③ كتاب الزهد: 174، رقم: 610

④ كتاب الزهد: 168، رقم: 586

⑤ عدة الصابرين و ذخيرة الشاكرين لابن القيم: 97



کی جگہ اسے صبر عطا کر دے تو یہ (صبر) اس نعمت کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے جو اس سے واپس لے لی گئی۔''[1]

صبر کے بارے میں بہت زیادہ اقوال منقول ہیں، یہ تو صرف ہم نے نمونے کے طور پر چند اقوال ذکر کیے ہیں تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے سامنے واضح ہو جائے کہ سلف صالحین وصف صبر کو اختیار کرنے کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ اور ان کا یہ اہتمام کتاب و سنت کی ان نصوص کو عملی جامہ پہنانے کا نتیجہ تھا جو نصوص صبر کا حکم دیتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کا صبر

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے جنگ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا:

«جُرِحَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ، وَهُشِمَتِ الْبَيْضَةُ عَلٰى رَأْسِهِ، فَكَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ تَغْسِلُ الدَّمَ، وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ يَسْكُبُ عَلَيْهَا بِالْمِجَنِّ، فَلَمَّا رَأَتْ فَاطِمَةُ أَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيدُ الدَّمَ إِلَّا كَثْرَةً، أَخَذَتْ قِطْعَةَ حَصِيرٍ فَأَحْرَقَتْهُ حَتّٰى صَارَ رَمَادًا، ثُمَّ أَلْصَقَتْهُ بِالْجُرْحِ، فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ»

''رسول اللہ ﷺ کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا، آپ کے اگلے دانتوں میں سے ایک (رباعی) دانت ٹوٹ گیا، خود کی وجہ سے آپ کا سر زخمی ہو گیا تو حضرت فاطمہ رسول

---

[1] عدة الصابرين و ذخيرة الشاكرين لابن القيم: 97

اللہ ﷺ کی بیٹی رضی اللہ عنہا (آپ کے زخم کا) خون دھو رہی تھیں اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ڈھال کے ساتھ اس پر پانی بہا رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی کی وجہ سے خون زیادہ بہہ رہا ہے تو انھوں نے کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا جب وہ راکھ بن گیا تو انھوں نے وہ زخم پر رکھ دیا جس سے خون رک گیا۔''[1]

عتبہ بن ابی وقاص نے رسول اللہ ﷺ پر اس روز تیر چلایا اور آپ کے اگلے دانتوں میں سے دائیں جانب کا نچلی طرف سے ایک (رباعی) دانت توڑ دیا۔ آپ کا نچلا ہونٹ زخمی کر دیا۔ عبداللہ بن شہاب ازہری نے آپ کی پیشانی کو زخمی کیا۔ ابن قمئہ نے آپ کے ایک رخسار کو زخمی کر دیا۔ خود کے دو کیل آپ کے رخسار میں پیوست ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ اس گڑھے میں گر گئے جو ابو عامر نے اس لیے کھودا تھا کہ مسلمان لاعلمی میں اس میں گر جائیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خون چوس لیا اور پھر جلدی سے اسے نگل لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔''[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور اس سے پہلے دن کچھ اونٹ ذبح کیے گئے تھے۔ ابو جہل

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب ما أصاب النبیﷺ من الجراح یوم أحد، حدیث: 4075 و صحیح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، حدیث: 1790 واللفظ له

[2] البدایة والنهایة لابن کثیر: 4/25 مطبوعه دارالریان للتراث



نے کہا تم میں کون شخص ہے جو فلاں لوگوں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور محمد (ﷺ) جب سجدہ کریں تو ان کے کندھے پر رکھ دے۔ اس گروہ کا ایک نہایت بدبخت آدمی اٹھا اور اسے اٹھا لایا۔ جب نبی کریم ﷺ سجدہ میں گئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر سب ہنسے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ میں کھڑا دیکھ رہا تھا، اگر طاقت ہوتی تو میں اسے رسول اللہ ﷺ کی پشت سے ہٹا دیتا۔ نبی کریم ﷺ سجدہ کی حالت میں رہے اور سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ ایک آدمی گیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی، وہ آئیں، اس وقت وہ چھوٹی سی بچی تھیں، انھوں نے اسے آپ ﷺ کی کمر سے ہٹایا۔ پھر ان (مشرکین) کی طرف متوجہ ہوئیں اور انھیں برا بھلا کہا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز مکمل کی تو اونچی آواز سے ان کے لیے بددعا کی۔ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ جب دعا کرتے تو تین مرتبہ دعا کرتے اور جب سوال کرتے تو تین مرتبہ سوال کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! قریش سے نبٹ۔ تین مرتبہ آپ ﷺ نے اسی طرح کہا۔ جب انھوں نے آپ ﷺ کی آواز سنی تو ان کا ہنسنا ختم ہو گیا اور وہ آپ ﷺ کی بددعا سے خوفزدہ ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! تو ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط سے نبٹ۔'' آپ نے ساتویں شخص کا نام لیا لیکن مجھے یاد نہیں رہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں نے ان لوگوں کو جن کا آپ ﷺ نے نام لیا تھا، بدر کے دن زمین پر گرے ہوئے دیکھا۔ پھر ان سب کو وادئ بدر کے ایک گڑھے میں گھسیٹ کر پھینک دیا گیا۔''[1]

---

[1] صحيح مسلم، الجهاد، باب مالقى النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث: 1794

یہ روایات تو جسمانی اذیت کے لحاظ سے تھیں۔ ذہنی اذیت کے سلسلے میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر ایک زین تھی اور اس کے نیچے ایک سوتی کپڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو حارث بن خزرج کے علاقے میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کے لیے جا رہے تھے، یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جس میں مسلمان، بت پرست، مشرک اور یہودی ملے جلے لوگ تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اس مجلس میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ سواری کا گرد و غبار جب اس مجلس پر پڑا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک اپنی چادر سے ڈھانپ لی اور کہا: ہم پر مٹی نہ ڈالو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کہا، پھر توقف فرمایا، سواری سے اترے اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور قرآن پاک کی آیات سنائیں۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: اے شخص! میں اس سے اچھا سلوک نہیں کر سکتا۔ تو جو بات کہتا ہے اگر وہ سچ ہے تو پھر ہماری مجالس میں آ کر ہمیں اذیت نہ دیا کر، اپنے گھر چلا جا، ہم میں سے جو شخص تیرے پاس آئے اسے یہ باتیں بتا دیا کر۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجالس میں تشریف لایا کریں۔ ہمیں یہ بات پسند ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں، مشرکین اور یہود نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا چاہا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مسلسل سمجھاتے بجھاتے رہے، پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور فرمایا: اے سعد! کیا تو نے ابو حباب، یعنی عبداللہ بن ابی کی باتیں نہیں سنیں، اس نے ایسے ایسے کہا ہے۔ تو سعد رضی اللہ عنہ



نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اسے معاف فرمائیں اور درگزر کریں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے ایسے وقت میں عطا فرمایا جب اس علاقے کے لوگ اس بات پر اتفاق کر چکے تھے کہ وہ اس شخص (عبداللہ بن ابی) کی تاجپوشی کریں گے اور اسے سرداری کی پگڑی پہنائیں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ساتھ جو آپ کو عطا کیا ہے اس چیز کو ختم کر دیا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ آپ ﷺ جو مناسب سمجھتے ہیں ویسا ہی کریں۔ پھر نبی ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔"[1]

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر نبی ﷺ نے بعض لوگوں کو ترجیح دی۔ اقرع کو ایک سو اونٹ دیے۔ عیینہ کو بھی اتنا ہی حصہ دیا ان کے علاوہ شرفا میں سے چند لوگوں کو اسی طرح تقسیم میں کچھ زیادہ دیا تو ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! یہ ایسی تقسیم ہے کہ اس میں انصاف پیش نظر نہیں رکھا گیا یا اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ تھی۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کو اس بات سے ضرور آگاہ کروں گا۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور آپ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللهُ وَرَسُولُهُ؟ رَحِمَ اللهُ مُوسٰى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ»

"اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہ کریں گے تو پھر انصاف کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انھیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔"[2]

---

[1] صحیح مسلم، الجهاد، باب مالقی النبی ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث : 1798

[2] صحيح البخاری، فرض الخمس، باب ماکان النبی ﷺ يعطى المؤلفة قلوبهم......، حديث : 3150

رسول اللہ ﷺ سے جو اس طرح کے اُمور ثابت ہیں، یہ داعی حضرات کے سامنے وضاحت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کس قدر صبر کرتے تھے اور طرح طرح کی ذہنی و جسمانی تکالیف کس طرح برداشت کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان میں سے کوئی چیز آپ ﷺ کو اپنے رب کی طرف دعوت دینے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے نہ روک سکی۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت کی برکھا برسے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کو ان عظیم واقعات پر غور وفکر اور رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء کو بھی اپنی دعوت کے سلسلے میں بہت زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، اس کے باوجود انھوں نے صبر کیا بلکہ وہ تکالیف کا مقابلہ اپنی قوم کے لیے مغفرت کی دعاؤں سے کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: گویا کہ میں نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہوں آپ انبیاء میں سے ایک نبی کا تذکرہ فرما رہے ہیں، جنھیں ان کی قوم نے مارا اور لہولہان کر دیا مگر وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے اور کہتے جاتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے وہ (حقیقت سے) لاعلم ہیں۔''[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم نے جو سلوک کیا اور ان کو جو تکالیف دیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾﴾

انھوں نے (آپس میں) کہا اس کے لیے ایک عمارت بناؤ، پھر اسے دہکتی ہوئی

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، رقم الباب: 54، حديث: 3477



آگ میں ڈال دو۔انھوں نے اس کے خلاف ایک تدبیر کا ارادہ کیا تو ہم نے انھیں ناکام بنادیا۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اپنے رسولوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس پر جو شخص غور کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ اپنے رب کی دعوت پہنچانے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوموں کی طرف سے جو تکالیف پہنچیں انھوں نے ان پر کس طرح صبر کیا۔

لیکن یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآنی آیات ،احادیث نبویہ اور اقوال سلف میں صبر کرنے والوں کے جس اجر کا تذکرہ ہے وہ اس صابر کے لیے ہے جو اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے نہ کہ اس کے لیے جو چیختا چلاتا اور پشیمان ہوتا ہے۔اجر مصیبت پر نہیں ملتا کیونکہ وہ تو تقدیر الٰہی کی وجہ سے آتی ہے، اجر تو صرف مصیبت پر صبر کرنے والے کے لیے ہوتا ہے۔ علامہ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بعض جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو اس کی مصیبت کی وجہ سے اجر ملتا ہے لیکن یہ واضح غلطی ہے، کیونکہ مصائب نہ تو اس کی ذاتی محنت (عمل) ہوتے ہیں اور نہ وہ ان کا سبب بنتا ہے۔کسی آدمی کا بچہ فوت ہو جائے یا اس کا مال غصب ہو جائے یا اسے کوئی جسمانی تکلیف پہنچے تو یہ مصائب اس کے ذاتی اعمال نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اس کا سبب بنا ہے کہ اسے اس پر اجر دیا جائے لیکن وہ اگر ان پر صبر کرتا ہے تو اسے صبر کرنے والوں کا ثواب ملے گا۔ اگر وہ ان پر اپنی رضا کا اظہار کرے تو اسے راضی رہنے والوں کا اجر ملے گا۔ فی نفسہٖ مصیبت پر اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ اس کے اعمال میں سے نہیں ہے۔سورۂ طور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ﴾

---

[1] الصافات 37:97-98

”جو تم عمل کرتے ہو تمھیں صرف اسی کا اجر ملے گا۔“ ①

اور یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ دنیاوی مصائب تو گناہوں کی سزا ہوتے ہیں اور سزا ثواب نہیں ہوسکتی۔ اس بات کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَآ أَصَـٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾

”تمھیں جو مصائب پہنچتے ہیں یہ تمھارے اعمال کی وجہ سے ہیں۔“ ②

اس عبارت سے علامہ عزالدین رحمہ اللہ کا مقصود وہ لوگ ہیں جو مصائب پر اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ پاتے، کیونکہ مصیبت اگرچہ ظاہری طور پر کسی شخص کی سزا ہوسکتی ہے یا آزمائش لیکن اگر وہ صبر کرے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھے تو اسے اس پر اجر ملے گا اور اس کے گناہوں کا کفارہ بھی ہوگا۔ واللہ اعلم.



① الطور 52:61

② الشوریٰ 42:30، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، 1/135

باب :7





حسن اخلاق اور غصے سے دوری

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے بنیادی اوصاف میں سے ایک وصف اخلاق حسنہ ہے۔ اس خوبی کے ساتھ بھلائی کا حکم دینے والا مشکل ترین امور کو اللہ کے حکم سے درست کرسکتا ہے اور اخلاق حسنہ کی غیر موجودگی میں اکثر اوقات وہ آسان ترین امور بھی درست نہیں کرسکتا۔

خُلق کے لغوی معنی

''خُلَق اور خُلُق'' کا معنی ہے ''عادت''۔کہا جاتا ہے: خَالِقِ الْمُؤمِنَ وَ خَالِقِ الْفَاجِرَ ''مومن سے اخلاق حسنہ کے ساتھ پیش آؤ اور فاجر سے اخلاق حسنہ کے ساتھ پیش آؤ''۔ اور کہا جاتا ہے: فُلَانٌ يَتَخَلَّقُ بِغَيْرِ خُلُقِهِ، اى يَتَكَلَّفُهُ ''فلاں شخص بناوٹی اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے، یعنی تکلفاً دوسرے اخلاق اپناتا ہے۔''

سالم بن وابصہ شاعر کہتا ہے:

''بے شک اخلاق بنانے ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔''[1]

اور ''خلق'' کا معنی ہے عادت، طبیعت، مروت، طریقہ[2]

---

[1] الصحاح تاج اللغة و صحاح العربية ، للجوهرى : 471/4

[2] القاموس المحيط: 229/3



خُلق کا مفہوم

خلق نفس کی اس پختہ حالت کا نام ہے جس سے اچھے یا برے افعال بغیر کسی غور وفکر کے سرزد ہوں۔[1]

اخلاق حسنہ کی تعریف میں اسلاف رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں:

- عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد خندہ پیشانی سے پیش آنا، بھلائی کا عام کرنا اور اذیت دینے سے رکنا ہے۔''[2]
- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اخلاق حسنہ کی حقیقت بھلائی کا عام کرنا، اذیت دینے سے رکنا اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ہے۔''[3]
- امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد سخاوت کرنا، عطا کرنا اور کشادہ روئی سے ملنا ہے۔''[4]
- سلام بن مطیع سے حسن خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے شاعر کا یہ کلام پڑھا:

تَـرَاهُ إِذَا مَـا جِـئْـتَـهُ مُـتَـهَـلِّـلاً
كَـأَنَّـكَ تُـعْـطِـيهِ الَّـذِي أَنْـتَ سَـائِـلُـهُ
فَلَوْلَـمْ يَكُـنْ فِـي كَـفِّـهِ غَيْـرُ رُوحِـهِ
لَـجَـادَ بِـهَـا فَـلْـيَـتَّـقِ اللهَ سَـائِـلُـهُ

---

(1) المعجم الوسيط، ص :261

(2) جامع الترمذی، البر والصلة ، باب ماجاء فی حسن الخلق ، حدیث :2005

(3) الآداب الشرعية : 216/2

(4) غذاء الألباب للسفارينی :354/1

هُوَ الْبَحْرُ مِنْ أَيِّ النَّوَاحِي أَتَيْتَهُ

فَلُجَّتُهُ الْمَعْرُوفُ وَالْجُودُ سَاحِلُهُ

''جب تو اس کے پاس آتا ہے تو اسے مسکراتا ہوا پاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تو جو چیز اس سے مانگ رہا ہے (اس کے نزدیک) حقیقت میں وہ چیز تو اسے عطا کر رہا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں صرف اس کی جان ہوتی تو وہ بھی عطا کر دیتا، اس لیے جو شخص اس سے مانگ رہا ہے، اسے اللہ کا خوف کرنا چاہیے (یعنی اس سے نہ مانگے۔) وہ تو سمندر ہے جس جانب سے چاہو اس کے پاس چلے آؤ۔ اس (سمندر) کی گہرائی احسانات و انعامات ہیں اور اس کا ساحل جود و سخا ہے۔''[1]

ان اشعار میں مبالغہ ہے اور میرا خیال ہے کہ مخلوقات میں سے یہ صرف حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ ہی پر صادق آ سکتے ہیں۔ حسن اخلاق کی تعریف میں اگرچہ سلف کے اقوال الفاظ کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ وہ یہی بتاتے ہیں کہ حسن اخلاق کا مطلب ہے بھلائی کا عام کرنا، اذیت دینے سے رکنا، خندہ روئی و خندہ پیشانی سے پیش آنا۔

حسن اخلاق کا مفہوم

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حسن اخلاق کا تعلق صرف اچھی گفتگو اور اچھے طرزِ عمل ہی کے ساتھ ہے۔ یہ مفہوم بہت ہی مختصر ہے۔ حسن اخلاق کا میدان تو اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ اچھی گفتگو اور عمدہ طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ اس سے مراد ہے تواضع اور انکسار، تکبر نہ کرنا، لچک اختیار کرنا، چھوٹوں کے ساتھ شفقت کرنا اور بڑوں کا احترام کرنا، ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہنا،

---

① حوالہ مذکور



اچھی رفاقت، نرم گفتگو اور باہمی اصلاح وغیرہ۔ کتاب ''غذاء الالباب'' میں صاحب کتاب کہتے ہیں کہ حسن اخلاق سے مراد ہے مسلمانوں کے حقوق ادا کرنا، اور وہ حقوق یہ ہیں:

''جو چیز اپنے لیے پسند ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرے۔ تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ ان پر بڑائی، تکبر، غرور اور خود پسندی کا مظاہرہ نہ کرے۔ عمر رسیدہ شخص کی تکریم کرے، چھوٹے بچے پر شفقت کرے اور ہر حقدار کا حق پہنچائے (اور ساتھ ساتھ یہ اوصاف بھی پیدا کرے۔)'' خندہ پیشانی اور خوشدلی سے استقبال کرنا، ہمیشہ مسکرانا، لچک دار رویہ اپنانا، عمدہ رفاقت، شائستہ گفتگو، اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرنا، اپنے دوستوں اور بھائیوں کو تلاش کرنا اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے بہترین سلوک کرنا، اپنے کسی مفاد کے لیے ہرگز کوئی طمع نہ کرنا۔ ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا، ان کی لغزشوں کو معاف کرنا، ان کی دعوت قبول کرنا، غلط رویہ اپنانے والے کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا، زیادتی کرنے والے کو معاف کر دینا۔''[1]

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن کے اخلاق عالیہ یہ ہیں:

''طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ نرمی، دین میں پختگی، یقین کے ساتھ تصدیق، علم کی حرص، اخراجات میں اعتدال، خوشحالی میں سخاوت، تنگ دستی میں صبر وقناعت، کمزور و ناتواں کے لیے مجسمۂ رحمت، سخاوت کے ساتھ عزت افزائی اور استقامت کے ساتھ نیکوکاری۔''[2]

اشعث بن قیس رحمہ اللہ نے ایک دن اپنی قوم سے کہا:

---

[1] غذاء الألباب، للسفاريني :1/362-363

[2] حوالہ مذکور:1/360

''میں تم میں سے ایک آدمی ہوں۔ مجھے تم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں لیکن میں تمھارے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتا ہوں، تمھاری خاطر اپنا مال صرف کرتا ہوں۔ تمھارے حقوق ادا کرتا ہوں، تمھاری محترم اشیاء کی حفاظت کرتا ہوں، جو مجھ جیسے کام کرے گا وہ مجھ جیسا ہے، جو مجھ سے بڑھ جائے وہ مجھ سے بہتر ہے اور جس پر میں بڑھ جاؤں تو میں اس سے بہتر ہوں۔ تو اشعث بن قیس کو کہا گیا ''اے ابومحمد! آپ اس طرح کی گفتگو کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ کہنے لگے، میں انھیں عمدہ اخلاق کی رغبت دلاتا ہوں۔''[1]

کیا اخلاق حسنہ ایسے فطری امور ہیں جن میں تبدیلی ممکن نہیں؟

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اخلاق حسنہ ان فطری اوصاف میں سے ہیں جن میں تبدیلی ممکن نہیں۔ اگر انسان پیدائشی طور پر اچھے اخلاق والا ہے تو وہ اچھے اخلاق والا ہی رہے گا اور اگر وہ فطرتاً بداخلاق یا بے اخلاق ہے تو وہ ویسا ہی رہے گا۔ یہ نظریہ قابل اصلاح ہے۔ یہ بات درست ہے کہ انسان اگر فطرتاً اچھے اخلاق والا ہو تو اچھے اخلاق والا رہتا ہے۔ خاص طور پر جب وہ اپنی عملی زندگی میں اپنی فطرت کی حقانیت کے لیے جستجو کرتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو فطرتاً اخلاق حسنہ والا نہیں ہے کیا اس کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ اخلاق حسنہ یا ان میں سے کوئی خوبی اپنا سکے؟ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ انسان کے لیے یقیناً ممکن ہے کہ وہ اخلاق حسنہ اپنے اندر پیدا کر سکے اگرچہ وہ فطرتاً ایسا نہیں ہے اور اس پر دو دلیلیں ہیں:

① شریعت نے لوگوں کو اخلاق حسنہ کی دعوت دی ہے، انھیں اپنانے کا حکم دیا ہے اور ان کی رغبت دلائی ہے۔ اگر ان کا حصول ناممکن ہوتا تو پھر شریعت کی اس دعوت کا کوئی مطلب نہ ہوتا

---

[1] حوالہ مذکور



اور اس میدان میں وعظ و نصیحت کی گنجائش بھی نہ ہوتی۔

② آپ واقعاتی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ گھوڑے کو اچھے انداز سے چلنا اور مالک کی پوری فرمانبرداری سکھائی جاتی ہے تو وہ یہ سب کچھ سیکھ جاتا ہے حالانکہ وہ پہلے ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح شکاری کتوں کی مثال ہے۔ اس کو (شکار) نہ کھانے کی تعلیم دی جاتی ہے تو وہ یہ سیکھ جاتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ ایسا نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح جنگلی گدھے کو پالتو بنا لیا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام یا بعض فطری اوصاف کو تبدیل کرنا عین ممکن ہے۔ جب جانور تربیت کے زیر اثر اپنے فطری اوصاف تبدیل کر لیتے ہیں تو انسان تو یقیناً کہیں زیادہ قدرت رکھتا ہے کہ وہ اپنے فطری خصائل و رجحانات اعتدال کے ساتھ بدل لے۔ یہ درست ہے کہ تبدیلی اتنی جلدی حاصل نہیں کی جا سکتی لیکن بار بار کوشش کرنے سے یہ حاصل ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ فطرت تبدیل نہیں ہوتی تو اس بارے میں معلوم ہونا چاہیے کہ ان صفات کا مکمل طور پر خاتمہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ مطلوب صرف یہ ہے کہ خواہشات کی افراط و تفریط کو اعتدال پر لایا جائے۔ ان صفات کا خاتمہ کیسے مطلوب ہو سکتا ہے؟ فطرت میں خواہشات کی تخلیق ایک ضروری فائدے کے لیے کی گئی ہے۔ اگر کھانے کی خواہش ختم ہو جائے تو انسان ہلاک ہو جائے۔ جنسی خواہش ختم ہو جائے تو نسل منقطع ہو جائے۔ اگر غصہ مکمل طور پر ختم ہو جائے تو انسان مہلک اشیاء سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾

"(مسلمان) کفار کے مقابلے میں بہت سخت اور آپس میں رحم دل ہوتے ہیں۔"[1]

---

① الفتح 29:48

''سختی، غصے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر غصہ ختم ہو جائے تو کافروں سے جہاد ناممکن ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ﴾ ''غصے کو پی جانے والے۔'' یہ نہیں فرمایا: ''غصے کو ختم کر دینے والے۔'' یہ بات جان لیں کہ افراط وتفریط میں اعتدال بعض اوقات کمال فطرت سے حاصل ہوتا ہے اور یہ خالق کی طرف سے انعام ہوتا ہے۔ کتنے ہی ایسے بچے ہوتے ہیں جو پیدائشی طور پر سچے، شریف اور نرم دل ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ چیز کوشش سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لیے ریاضت کرنا پڑتی ہے۔ ریاضت نام ہے نفس کو ان کاموں پر آمادہ کرنے کا جو مطلوبہ وصف کو کھینچ لانے والے ہوں۔ جو وصف سخاوت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے زیادہ سے زیادہ سخیوں والا کام، یعنی سخاوت کرنی چاہیے تاکہ یہ اس کی عادت بن جائے۔''[1]

اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والا فطرتاً حسن اخلاق والا ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اب اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسن اخلاق کی نعمت سے نوازا ہے، تو اس نعمت کو لوگوں کی اصلاح اور برائی سے ممانعت کے لیے بروئے کار لائے۔ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حالات کے مطابق اخلاق حسنہ حاصل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں کے لیے اخلاق حسنہ بنیادی امور میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ ان کی تخلیق ہی اخلاق عظیمہ پر ہوئی ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤﴾

''آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔''[2]

---

[1] مختصر منهاج القاصدين، لابن قدامة: 152-153

[2] القلم 68:4



حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ قرآن حکیم کے اوامر ونواہی کی اطاعت نبی کریم ﷺ کا مزاج اور طبیعت بن گیا۔ یعنی آپ نے پیدائشی مزاج ترک کر دیا۔ یعنی قرآن حکیم آپ ﷺ کو جو بھی حکم دے گا آپ اس کی تعمیل کریں گے اور جس چیز سے منع کرے گا اسے ترک کر دیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پیدائشی طور پر خلق عظیم، شرافت، بہادری، عفوو درگزر، بردباری اور ہر اچھا خلق عطا فرمایا ہے۔''[1]

اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدح فرمائی ہے۔ اور یہ وضاحت کی ہے کہ آپ اپنی عبادت، معاملات اور اپنے رب کے احکام کی اطاعت کرنے میں خلق عظیم کے مالک ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اخلاق سے محبت کرتا ہے، کیونکہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی اس بات پر مدح فرمائی ہے کہ وہ خلق عظیم سے متصف ہیں۔ اور جب معاملہ اس طرح کا ہو تو پھر مسلمانوں کو اور خاص طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اوصاف سے متصف ہونے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا»

''رسول اللہ ﷺ اخلاق کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ اچھے تھے۔''[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 402/4، تفسیر سورۃ القلم، آیت: 4

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب الكنية للصبي، وقبل أن يولد للرجل، حديث: 6203 وصحيح مسلم، المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة، والصلوٰة على حصير وخمرة وثوب وغيرها من الطاهرات، حديث: 659

ساتواں وصف: حسن اخلاق اور غصے سے دوری

حضرت انس رضی اللہ عنہ بہت زیادہ طویل عرصے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، وہ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔انھوں نے یہ بات عملی طور پر محسوس کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

«لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا ، وَّكَانَ يَقُولُ : إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدخلق اور بدزبان نہیں تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ حسن اخلاق کا مالک ہو۔''[1]

اس صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وضاحت ہے کہ امت کے بہترین لوگ وہی ہیں جو عمدہ اخلاق والے ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے کون ہے جو نہ چاہتا ہو کہ وہ اس امت کے بہترین لوگوں میں شمار ہو۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ (شعیب) اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِّنِّي مَجْلِسًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتَ الْقَوْمُ، فَأَعَادَهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ الْقَوْمُ: نَعَمْ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: أَحْسَنُكُمْ خُلُقًا»

''کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ تم میں سے کون شخص مجھے زیادہ محبوب ہے اور تم میں سے کون شخص قیامت کے روز میرے قریب ترین درجے میں ہوگا۔ تو لوگ خاموش رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار ان کلمات کو دہرایا تو لوگوں نے کہا ہاں اے اللہ

[1] صحیح البخاری، المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، حدیث :3559



کے رسول! (ضرور بتائیے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "(یہ وہ شخص ہے) جو تم میں سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو۔"①

نبی کریم ﷺ نے یہ بات بتائی کہ ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ پسندیدہ شخص اور قیامت کے روز ان سے قریب ترین درجے میں وہ شخص ہو گا جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو گا۔ یہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔ دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ عظیم مرتبہ حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ صرف کر ڈالے اور یہ سب کچھ حسن اخلاق کی بدولت ہی حاصل ہو گا۔ حضرت نواس بن سمعان الکلابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ»

"نیکی سے مراد اخلاق حسنہ ہیں اور گناہ وہ ہوتا ہے جو تیرے دل میں خلش پیدا کرے اور تو یہ پسند نہ کرے کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو۔"②

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَأَحْسِنْ خُلُقِي»

"اے اللہ! تو نے میری شکل و صورت عمدہ بنائی ہے، میرے اخلاق کو بھی عمدہ بنا دے۔"③

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

① مسند أحمد :185/2

② صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، حديث :2553

③ مسند أحمد :403/1

«لَيْسَ شَيْءٌ أَثْقَلَ فِي الْمِيزَانِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ»

''میزان عمل میں اخلاق حسنہ سے زیادہ وزن دار چیز کوئی اور نہ ہوگی۔''[1]

امام ابوداود نے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے:

«مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»

''کوئی چیز بھی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزن والی نہ ہوگی۔''[2]

امام ترمذی نے ان الفاظ کا اضافہ بھی بیان کیا ہے:

«فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ»

''بے شک اللہ تعالیٰ بداخلاقی اور بے ہودگی کو بہت زیادہ ناپسند کرتا ہے۔''[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ»

''بے شک مومن اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے اس شخص کے مقام کو حاصل کر لیتا ہے جو دن کو روزے رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے۔''[4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ وہ کونسی چیز ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں داخل کرائے گی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① مسند أحمد: 448/6

② سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: 4799

③ جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث: 2002

④ سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: 4798



«تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ»

''اللہ کا تقویٰ اور اخلاق حسنہ۔''①

یہ احادیث شریفہ اور دیگر بہت سی احادیث اخلاق حسنہ کی فضیلت واضح کرتی ہیں اور اس کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اخلاق حسنہ کا مالک ہو، یعنی وہ حسن اخلاق کی بدولت لوگوں کی اصلاح اور رہنمائی کا مقصد حاصل کر سکے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کا اخلاق حسنہ سے مزین ہونے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ جلد غصے میں آنے والا نہ ہو۔

''غضب'' خوشی اور پسندیدگی کی ضد ہے۔②

غصہ وغضب ایک دلی کیفیت اور اثر پذیر ظاہری حالت ہے جسے انسان اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں ہی سے شروع کر دیتا ہے اور موت سے ہمکنار ہونے تک عمر کے ہر لمحے میں یہ کیفیت اسے لاحق رہتی ہے۔③

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو غصہ وغضب سے اجتناب کرنا چاہیے، یا اسے جلد غصے میں نہیں آنا چاہیے تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ ہم اس سے بالکل ہی غصہ نہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو شروع دن ہی سے غصہ وغضب کو انسان کے خمیر میں شامل کیا ہے اور اس کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن میں اپنے نفس کی حفاظت، اپنے دین کی حفاظت، عزت وآبرو کی حفاظت اور ان کے علاوہ ان بہت سی چیزوں کی حفاظت شامل ہے، جن کی حفاظت کرنے کا شارع نے

---

① جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث :2004

② القاموس المحیط، فیروز آبادی : 111/1

③ تربیة الأولاد فی الاسلام، عبداللہ ناصح :394/1

حکم دیا ہے۔ اصل مطلوب یہ ہے کہ غصہ وغضب موقع ومحل کے لحاظ سے ہو اور غصے کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول ہو، کیونکہ انسان جب غصہ میں آتا ہے تو اس کی شخصیت مضطرب ہو جاتی ہے اور اس کے امتیازی اوصاف متغیر ہو جاتے ہیں۔ غصہ اسے اگر مکمل نہیں تو کم از کم خیرِ کثیر سے محروم کر دیتا ہے، پھر بسا اوقات وہ کسی دوسرے پر زیادتی کر جاتا ہے، اذیت ناک مار کٹائی کے ساتھ یا چھلنی کر دینے والے الفاظ کے ساتھ، گالی گلوچ کے ساتھ یا اسی طرح کے دیگر امور سے، یہ سب کچھ غصے ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ بات جان لیجیے کہ جب بھی غصے کی آگ تیز ہو جائے تو وہ غصہ کرنے والے کو اندھا بنا دیتی ہے اور ہر قسم کی نصیحت سے بہرا کر دیتی ہے کیونکہ غصہ دماغ کی طرف بلند ہوتا ہے اور غور وفکر کے مرکز پر چھا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ حواس کے مراکز کی طرف بڑھ جاتا ہے اور اس کی آنکھ کو تاریک کر دیتا ہے حتی کہ وہ اپنی آنکھ سے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ دنیا اس کے سامنے سیاہ ہو جاتی ہے، اس کا دماغ ایک ایسے غار کی طرح ہو جاتا ہے جس میں آگ جلائی گئی ہو، اس کا اندرونی حصہ سیاہ ہو گیا ہو، اس کی جائے قیام گرم ہو چکی ہو، وہ دھوئیں سے بھر چکا ہو، اس میں کمزور سا چراغ ہو جو بجھ چکا ہو، اس غار میں قدم رکھا جا سکتا ہے نہ اس میں کوئی بات سنی جا سکتی ہے۔ نہ کوئی شکل دیکھی جا سکتی ہے اور نہ آگ بجھانے کی ہمت ہو سکتی ہے۔ ایسا ہی دل و دماغ کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض اوقات غصہ بڑھ جاتا ہے اور غصے والا شخص ہلاک ہو جاتا ہے۔''[1]

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب غصہ ختم اور نفس پر سکون ہو جاتا ہے تو وہ شخص اپنے کیے پر

[1] مختصر منهاج القاصدين، لابن قدامة، ص: 179



نادم ہوتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ اس کا سب کچھ قربان ہو جاتا مگر وہ اس صورت حال سے دو چار نہ ہوتا۔ زیادتی کرنے والا شخص جب افسوس کا اظہار کرتا ہے تو اس کا عذر قابل قبول ہو جاتا ہے، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کی غلطی لوگوں کے نزدیک بہت بڑی، یعنی ناقابل معافی ہوتی ہے، اس لیے اس پہلو کو جاننا، اس وادی میں قدم رکھنے والے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ بعض غیظ وغضب قابل مذمت ہوتے ہیں اور بعض قابل تعریف۔ یہاں ہم ان دونوں اقسام اور غصے کے علاج پر گفتگو کریں گے۔

قابل مذمت غصہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَٰٓئِرَ ٱلْإِثْمِ وَٱلْفَوَٰحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا۟ هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾﴾

''اور وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور فواحش سے اجتناب کرتے ہیں اور جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔''①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، مجھے نصیحت فرمائیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَغْضَبْ، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: لَا تَغْضَبْ»

''غصے میں نہ آؤ۔ اس نے بار بار یہی بات دہرائی۔ آپ نے یہی فرمایا، غصہ نہ کرو۔''②

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے:

---

① الشوریٰ 37:42

② صحیح البخاری، الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث : 6116

''اللہ تعالیٰ نے غصے کو آگ سے بنایا اور پھر اسے انسان کا مزاج بنا دیا۔ اس لیے جب بھی کسی معاملے میں اس کی مخالفت کی جاتی ہے تو اس کے غصے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور پھیل جاتی ہے، یہاں تک کہ خون کی وجہ سے چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں کیونکہ جسم کی کھال اس رنگ کو واضح کرتی ہے جو اس کے نیچے ہوتا ہے۔ اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے سے کم تر پر غصے میں آئے اور یہ خیال کرے کہ میں اس پر قدرت رکھتا ہوں۔ اگر یہ غصہ کسی بڑے پر ہو تو خون سمٹ کر دل میں جمع ہو جاتا ہے اور خوف سے رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر یہ غصہ ہم مرتبہ پر ہو تو خون کبھی سمٹتا کبھی پھیلتا ہے، کبھی اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے کبھی زرد۔ غصے کی وجہ سے ظاہری و باطنی تبدیلی پیدا ہوتی ہے مثلاً: رنگ بدل جانا، مختلف اعضا پر لرزہ طاری ہو جانا، بغیر ترتیب کے کام وقوع پذیر ہونا، شکل کا بدل جانا، یہاں تک کہ اگر غصے میں آنے والا شخص غصے کی حالت میں اپنے آپ کو دیکھے تو اپنی بدصورتی اور شکل کی تبدیلی کی وجہ سے اپنا غصہ خود بخود ختم کر ڈالے۔ یہ سب کچھ غصے کے ظاہری آثار ہیں جبکہ باطنی قباحت، ظاہری قباحت سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس سے دل میں کینہ و حسد پیدا ہوتا ہے اور دیگر طرح طرح کی خرابیاں دل میں جنم لینے لگتی ہیں۔ بلکہ سب سے پہلی قباحت باطنی قباحت ہی ہے اور ظاہری تبدیلی باطنی تبدیلی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ جسم پر غصے کے اثرات ہیں۔ زبان پر بھی اس کے اثرات ہوتے ہیں۔ زبان سے ایسی گالیاں اور فحش کلمات نکلتے ہیں جن سے ایک عقلمند شرم محسوس کرتا ہے اور غصہ ختم ہونے پر کلمات کہنے والا خود ندامت محسوس کرتا ہے۔ لڑائی اور مارکٹائی کی شکل میں غصے کے اثرات، افعال پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر وہ شخص ہاتھ سے نکل جائے جس پر غصہ تھا تو غصہ اپنے آپ پر پلٹ آتا ہے، پھر وہ اپنے کپڑے پھاڑتا



ہے، اپنے رخسار پیٹتا ہے۔ بعض اوقات اس پر غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، کبھی وہ گر جاتا ہے، کبھی برتن توڑتا اور کبھی کسی بے گناہ کو مار ڈالتا ہے۔ ان خرابیوں پر غور کیا جائے تو فوراً معلوم ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان: لَا تَغْضَبْ غصہ نہ کرو کس قدر زبردست حکمتوں پر مشتمل ہے اور اس کی بدولت کس قدر فائدے حاصل ہوتے ہیں اور کتنی خرابیاں دور ہوتی ہیں جن کو شمار کرنا ناممکن ہے۔''[1]

اس حدیث میں رسول کریم ﷺ کی جانب سے اس جلیل القدر صحابی کو غصہ کرنے کی سخت ممانعت ہے اور یہ ممانعت تمام امت کے لیے ہے کیونکہ غصے کے بداثرات دنیا و آخرت دونوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»

''لوگوں کو بہت زیادہ پچھاڑنے والا بہادر نہیں ہوتا، بہادر تو صرف وہ ہوتا ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔''[2]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا وَخَيْرُهُمْ بَطِيءُ الْغَضَبِ سَرِيعُ الْفَيْءِ، أَلَا وَشَرُّهُمْ سَرِيعُ الْغَضَبِ بَطِيءُ الْفَيْءِ. . . أَلَا وَإِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ . . .»

''خبردار! ان میں سے بہترین وہ ہے جسے دیر سے غصہ آئے اور جلد ختم ہو جائے اور

---

[1] فتح الباري، لابن حجر العسقلاني : 520/10

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث : 6114

ان میں سے بدترین وہ شخص ہے جسے جلد غصہ آئے اور دیر سے ختم ہو۔ خبردار! غصہ ابن آدم کے دل میں ایک انگارے کی طرح ہوتا ہے۔[1]

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ»

''غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔''[2]

یہ تمام احادیث غصہ کرنے سے منع کرتی ہیں اور اس سے بچنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ غصے سے اجتناب کرے تاکہ اس کی شخصیت میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور وہ لوگوں کے سامنے کمزور نہ ہونے پائے۔

پسندیدہ غصہ

جب حکمتیں جاننے والے شارع نے محض نفس کی چاہت، لذت اور خواہشات کی خاطر غصہ کرنے سے منع فرمایا تو اسی نے حکم دیا بلکہ اس غصے کو بہت زیادہ پسند فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَٰتِ ٱللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُۥ عِندَ رَبِّهِۦ﴾

''یہی (حکم) ہے، اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے گا تو یہ بات اس کے حق میں اس کے رب کے ہاں بہت بہتر ہوگی۔''[3]

---

[1] جامع الترمذي، الفتن، باب ما أخبر النبي ﷺ أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، حديث: 2191

[2] مسند أحمد: 226/4

[3] الحج 30:22



اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَـٰٓئِرَ ٱللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى ٱلْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾﴾

”جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو اس کا یہ عمل دل کے تقوے ہی سے ہوتا ہے۔“①

ان دونوں آیات کریمہ میں اس شخص کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے دین اور اس کے اوامر ونواہی کے مرتبے کو بلند کرتا ہے۔②

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَـٰتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ ٱللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ﴾

”ان سے قتال کرو۔ اللہ تمھارے ہاتھوں سے انھیں عذاب دے گا اور وہ انھیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد فرمائے گا، نیز وہ مومن قوم کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں سے غیظ وغضب دور فرما دے گا۔“③

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ جَـٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَـٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾﴾

”اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو، ان پر سختی کرو، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“④

---

① الحج 32:22

② تفسیر القرطبی: 53/12

③ التوبة 9:14-15 ④ التوبة 73:9

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی حرمات کو پامال کیا جا رہا ہو یا اس کی شریعت کو معطل کیا جا رہا ہو یا اس کا دشمن زور پکڑ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ کرنا پسندیدہ چیز ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اخلاق و بردباری میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو آپ غصے میں آ جاتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو گھر میں ایک تصاویر والا پردہ تھا۔ آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ نے پردہ پکڑا اور پھاڑ دیا۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُصَوِّرُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ»

''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو یہ تصویریں بناتے ہیں۔''[1]

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا، میں فلاں آدمی کی وجہ سے صبح کی نماز سے متاخر ہو جاتا ہوں کیونکہ وہ ہمیں لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نصیحت کے موقع پر اس قدر شدید غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا جس قدر آپ اس دن غصے میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ مِنْكُمْ مُّنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَّا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ»

''اے لوگو! تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کو دور بھگانے والے ہیں، تم میں سے جو شخص

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله تعالى، حديث: 6109



لوگوں کو نماز پڑھائے اسے اختصار کرنا چاہیے، اس لیے کہ ان میں بیمار، عمر رسیدہ اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔'' ①

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران میں کہیں بلغم لگا دیکھا تو اسے اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔ پھر غصہ کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلٰوةِ فَإِنَ اللهَ حِيَالَ وَجْهِهِ، فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ حِيَالَ وَجْهِهِ فِي الصَّلٰوةِ»

''تم میں سے کوئی شخص جب نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو اللہ اس کے سامنے ہوتا ہے اس لیے وہ نماز کی حالت میں اپنے سامنے ہرگز نہ تھوکے۔'' ②

یہ احادیث صحیحہ اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوتے تھے، لیکن ان کا غصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تھا، اپنی ذاتی خواہش کے لیے نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''گویا امام بخاری اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ حدیث جو اس معنی میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکالیف پر صبر کیا کرتے تھے تو اس سے مراد ان کی ذاتی تکالیف ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے لیے ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے اس میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ ان تمام احادیث کا تعلق جن میں مختلف اسباب کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب کا ذکر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔'' ③

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں:

---

① صحیح البخاری، الأدب، باب ما یجوز من الغضب والشدة لأمر الله تعالیٰ، حدیث : 6110

② صحیح البخاری، الأدب، باب ما یجوز من الغضب والشدة لأمر الله تعالیٰ، حدیث : 6111

③ فتح الباری، لابن حجر العسقلانی : 518/10

«مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ، وَلَا امْرَأَةً، وَلَا خَادِمًا، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَمَا نِيلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ، فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهِ إِلَّا أَنْ يَنْتَهِكَ شَيْئًا مِّنْ مَّحَارِمِ اللهِ، فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی عورت کو، نہ کسی خادم کو سوائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے۔ اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے آپ ﷺ کو نقصان پہنچایا ہو اور آپ ﷺ نے اس سے انتقام لیا ہو، سوائے اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جا رہا ہو تو پھر آپ ﷺ اللہ کی خاطر انتقام لیتے تھے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ روایت کرتے ہیں:

«مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا»

''جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا، آپ ﷺ نے دونوں میں سے آسان چیز کا انتخاب کیا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اگر گناہ ہوتا تو آپ سب لوگوں سے زیادہ اس گناہ سے دور بھاگتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جا رہا ہو۔ پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کا انتقام لیتے تھے۔''[2]

---

① صحیح مسلم، الفضائل، باب مباعدتہ ﷺ للآثام، واختیارہ من المباح أسهله، وانتقامه لله عند انتهاك حرماته، حدیث: 2328

② صحیح البخاری، المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث: 3560



یہ حدیث اور اس جیسی بہت سی احادیث سے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف و احوال بخوبی عیاں ہیں کہ آپ ان امور میں جو آپ کے ساتھ خاص ہوں یا جن کا تعلق آپ کے حقوق سے ہو ان میں درگزر، بردباری اور نرمی سے کام لیتے تھے، لیکن وہ امور جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت، آپ کا راستہ نہ روک سکتی تھی۔ اللہ کے اوامر آپ کو جس طرف لے جاتے آپ ادھر چل پڑتے تھے۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان احادیث اور ان کی تعلیمات کو اچھی طرح سمجھ لے اور پھر اپنے اوامر و نواہی میں ان تعلیمات عالیہ کے نفوذ و اشاعت پر زور دے۔ چونکہ ناپسندیدہ غصے کے برے اثرات فرد اور معاشرے دونوں پر ہو سکتے ہیں، اس لیے حکمتوں سے واقف شارع علیہ السلام نے ان کا علاج بھی بتا دیا ہے۔

غصے کا علاج

پہلا علاج

غصہ پینے، معاف کرنے، بردباری اور برداشت کی فضیلت میں قرآنی آیات اور احادیث کو یاد رکھا جائے۔ مثلاً فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَٱلْكَٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾ ﴾

”یہ (لوگ) غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“[1]

اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

---

[1] آل عمران 3:134

﴿خُذِ ٱلۡعَفۡوَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡعُرۡفِ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡجَٰهِلِينَ ١٩٩﴾

''معاف کر دیجیے، اچھی بات کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ آئے تو انھوں نے اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ہاں قیام کیا، اور یہ (حر بن قیس) ان لوگوں میں سے تھے جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے۔ قرائے کرام عمر رسیدہ ہوں یا جوان، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجالس و مشاورت کے ارکان ہوتے تھے، تو عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے بھتیجے! امیر المومنین کے ہاں تیرا ایک مقام ہے مجھے ان سے ملاقات کی اجازت لے دو۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کے لیے اجازت لے لوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حر بن قیس نے عیینہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے خطاب کے بیٹے! حالت یہ ہے کہ نہ تو ہمیں بڑے عطیات دیتا ہے اور نہ تو ہمارے درمیان انصاف کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے، قریب تھا کہ اسے کچھ کہتے کہ حر بن قیس بول اٹھا، اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿خُذِ ٱلۡعَفۡوَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡعُرۡفِ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡجَٰهِلِينَ ١٩٩﴾

''معاف کر دیجیے، اچھی بات کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔''[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! جب اس نے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ نہیں کہا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی کتاب کے سامنے انتہائی رک جانے والے تھے۔[3]

اسی طرح فرمان نبوی ہے:

---

① الأعراف 199:7 ② الأعراف 199:7۔

③ صحیح البخاری، التفسیر، باب خذالعفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلین، حدیث:4642



«مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَّهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُّنْفِذَهُ دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ أَيِّ الْحُورِ الْعِينِ شَاءَ»

''جو شخص غصے کی تنفیذ پر قادر ہونے کے باوجود اسے پی جائے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے ساری مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جو بھی حور لینا چاہتے ہو لے لو۔''[1]

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ جُرْعَةٍ أَعْظَمُ أَجْرًا عِنْدَ اللهِ، مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ كَظَمَهَا عَبْدٌ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ»

''غصے کا وہ گھونٹ جو کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ ثواب والا کوئی گھونٹ نہیں ہے۔''[2]

اس طرح کی اور بہت سی نصوص ہیں جو اس اجر و ثواب کا شوق پیدا کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

دوسرا علاج

شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ میں آنا۔ حضرت سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا، ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص دوسرے کو اس قدر غصے کے ساتھ برا بھلا کہہ رہا تھا کہ اس کا چہرہ غصے کی وجہ سے) سرخ ہو گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر نبی کریم

[1] مسند أحمد :3/440، سنن أبي داود، الأدب، باب من كظم غيظا، حديث :4777

[2] سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحلم، حديث :4189

ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّی لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَّوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، فَقَالُوا لِلرَّجُلِ: أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: إِنِّی لَسْتُ بِمَجْنُونٍ»

''میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہے تو اس کا موجودہ غصہ ختم ہو جائے۔ اگر یہ کہے: [اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ] تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ لوگوں نے اس آدمی سے کہا، کیا تو نبی کریم ﷺ کی بات نہیں سن رہا؟ اس نے جواب دیا: میں مجنون نہیں ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس غصے میں آنے والے شخص کو سمجھایا کہ [اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ] پڑھ کر شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاؤ۔

تیسرا علاج

غصے کے وقت شیطان آ جاتا ہے۔ اور ذکر الٰہی سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور شیطان دور ہو جاتا ہے لہٰذا ذکر الٰہی سے غصے کا علاج کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ ۝٢٨ ﴾

''خبردار! اللہ ہی کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔''[2]

ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ جب تو غصے میں آئے تو مجھے یاد کر۔

---

① صحیح البخاری، الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث : 6115 وصحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل من یملك نفسه عند الغضب...... الخ، حدیث : 2610

② الرعد 28:13



جب میں غصہ میں آؤں گا تو تجھے یاد رکھوں گا۔ (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ) میں تجھے ان لوگوں کے ساتھ ہلاک نہیں کروں گا جن کو میں ہلاک کرنا چاہوں گا۔ ①

چوتھا علاج

خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَلِّمُوا، وَيَسِّرُوا، وَلَا تُعَسِّرُوا، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ»

''لوگوں کو تعلیم دو، آسانی پیدا کرو، تنگی پیدا نہ کرو، مشکلات میں مبتلا نہ کرو۔ جب تم غصے میں آؤ تو خاموش ہو جاؤ۔ جب تم غصے میں آؤ تو خاموش ہو جاؤ۔ جب تم غصے میں آؤ تو خاموش ہو جاؤ۔'' ②

پانچواں علاج

اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے تاکہ اس کے اعصاب پرسکون ہو جائیں اور اس کا جسم متوازن ہو جائے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ»

① بهجة المجالس، لابن عبدالبر القرطبي، باب الغضب :375/1

② مسند أحمد :283/1

”جب تم میں سے کوئی غصہ میں آئے اور وہ کھڑا ہو تو اسے بیٹھ جانا چاہیے۔ اگر اس کا غصہ پھر بھی ختم نہ ہو تو لیٹ جانا چاہیے۔“ ①

چھٹا علاج

وضو بھی غصے کا علاج قرار دیا گیا ہے، کیونکہ وضو عبادت اور اللہ کے قریب کرنے والی چیز ہے۔ اس کے آغاز میں بسم اللہ اور آخر میں تشہد ہوتا ہے۔ پس یہ عمل اس کو مکمل طور پر غصے سے دور لے جائے گا۔ یہ امور غصے میں آنے والے کی شخصیت میں مثبت اثرات پیدا کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

«إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ، فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ»

”غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آگ صرف پانی سے بجھائی جا سکتی ہے اس لیے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے وضو کر لینا چاہیے۔“ ②

ساتواں علاج

غصے کے وقت اپنی شکل کی تبدیلی کو تصور میں لائے کہ وہ کاٹنے والے کتے یا چیر پھاڑ کرنے والے درندے کے مشابہ ہے۔ اور اپنے ذہن میں یہ بات لائے کہ وہ انبیاء اور علماء کے اخلاق کو ایک جانب پھینکنے والا ہے۔ ③

① سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقال عند الغضب، حديث :4782۔مسند أحمد :152/5

② سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقال عند الغضب، حديث :4784

③ مختصر منهاج القاصدين، لابن قدامه، ص :181



آٹھواں علاج

غصے کے دوران میں جو برے افعال و اقوال سرزد ہوتے ہیں ان پر غور و فکر کرے اور یہ بات جان لے کہ جو ہو چکا ہے اس کا ازالہ ناممکن ہے، وہ کام خواہ کیسا ہی ہو غصے کے دوران میں جو حرکات اس سے سرزد ہوئیں اور لوگوں کے ذہنوں پر جو اثرات ان سے مرتب ہوئے وہ انھیں اپنا سارا مال خرچ کر کے بھی زائل نہیں کر سکتا۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ناپسندیدہ غصہ اور اس کے اسباب سے دور رہے۔ اور اگر کبھی اس کے پائے استقامت میں لغزش آ جائے تو اسے مذکورہ علاج کرنا چاہیے۔ پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ جب لوگ غصے کی حالت میں ہوں تو انھیں احتیاط سے دعوت دے تاکہ اس کے اوامر و نواہی دھتکار نہ دیے جائیں۔



باب :8





عیب بینی کے بجائے عیب پوشی کرنا

آٹھواں وصف: عیب بینی کے بجائے عیب پوشی کرنا

جو شخص بھلائی کا حکم کرنے والا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مقصد لوگوں کی اصلاح ہو نہ کہ ان کی خامیوں کو ڈھونڈنا یا انھیں ظاہر کرنا۔ وہ کانوں کا کچا نہ ہو، لوگوں کے جوڑ توڑ میں مشغول ہو نہ ان کی کوتاہیوں، لغزشوں اور خامیوں کی ٹوہ میں رہے۔ بلکہ جو چیز ظاہر ہو اسے لے لے اور جو غائب ہو اسے چھوڑ دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ، كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، لہٰذا وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظلم کے حوالے کرتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے۔ جو کسی مسلمان کی ایک مشکل دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور فرما دے گا۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''[1]

[1] صحیح البخاری، المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، حدیث: 2442



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَّسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»

''جو شخص کسی مومن کی دنیاوی مشکلات میں سے کوئی مشکل دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور کرے گا اور جو شخص کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کی معاونت فرماتا رہتا ہے جو بندہ اپنے بھائی کی معاونت کرتا ہے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یقیناً اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''[2]

یہ صحیح احادیث مسلمانوں کو ترغیب دے رہی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کریں۔ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی وجہ سے انسان کو بے شمار بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ

---

① صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، وعلی الذکر، حدیث :2699

② صحیح البخاری، المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، حدیث :2442 و سنن ابی داود، الأدب، باب المؤاخاۃ، حدیث :4893

کی جانب سے دنیا و آخرت میں پردہ پوشی حاصل ہوتی ہے اور یہ کس قدر زبردست فضیلت ہے۔ اس موضوع پر بہت زیادہ احادیث ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کی خامیاں اور کوتاہیاں تلاش نہ کرے، اور اگر کسی سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جس غلطی پر کوئی حد عائد نہیں ہوتی تو اسے خود اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اسے نصیحت کر کے یا سزا دے کر۔ کیونکہ بعض سبق ایسے ہوتے ہیں جو کبھی نہیں بھولتے۔

پردہ پوشی کا غلط مفہوم

اس گفتگو کا مقصد یہ نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والا سست ہو جائے، مسلمانوں کی پردہ پوشی کو دلیل بنا کر غلط کاموں کو دیکھے اور ان سے الگ ہو جائے بلکہ جو خرابی وہ خود دیکھے یا کسی قابل اعتماد ذریعے سے اسے خرابی کی خبر ملے تو شرعی طریقوں سے اس خرابی کا تعاقب اور اس کا خاتمہ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ جو پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے وہ مطلقاً ہر مسلمان کی پردہ پوشی کا نہیں بلکہ صرف اسی شخص کی پردہ پوشی ضروری ہے جو پردہ پوشی کو پسند کرتا ہو اور اعلانیہ گناہ نہ کرتا ہو اور نہ ہی فسق و فجور اور بداخلاقی کے ساتھ معروف ہو۔ اگر کوئی شخص برائی کی وجہ سے مشہور ہو اور حرام کاموں کا بار بار ارتکاب کرتا ہو تو اسے روکنا اور اپنی حدود کے اندر رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ زمین میں فساد پھیلانے والے ہوں تو انھیں رسوا کرنا اور لوگوں کو ان سے بچانا ضروری ہوتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی تشریح کی ہے:

«لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا، إِلَّا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو آدمی کسی شخص کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہوں پر



پردہ ڈالے گا۔''[1]

امام موصوف تشریح میں فرماتے ہیں کہ یہاں وہ پردہ پوشی مستحب ہے جو اچھے کردار کے مالک لوگوں کی ہو، ایسے لوگ جو خرابی اور فساد کی وجہ سے معروف نہ ہوں۔ جو ان چیزوں سے معروف ہوگا اس کے بارے میں مستحب یہ ہے کہ اس کی پردہ پوشی نہ کی جائے بلکہ اس کا معاملہ حکام کے پاس پہنچایا جائے بشرطیکہ ایسا کرنے میں کسی خرابی کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ اس جیسے آدمی کی پردہ پوشی اسے مزید گناہ، خرابی اور حرمتوں کی پامالی میں مبتلا کرنے اور دوسروں میں اس جیسے کام کرنے کی جسارت پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ یہ سب احادیث اس گناہ کی پردہ پوشی کے بارے میں ہیں جو سرزد ہو اور ختم ہو جائے۔ لیکن وہ گناہ جس میں وہ اسے مبتلا پاتا ہے اور وہ اس گناہ کا عادی سمجھا جاتا ہے تو جو شخص طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے اس گناہ کی فوری مذمت کرنا اور اسے اس گناہ سے روکنا ضروری ہے اور اس میں تاخیر کرنا ناجائز ہے۔ اگر وہ طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر حکام تک اس معاملے کو پہنچانا واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ ایسا کرنے سے کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو۔

جہاں تک (احادیث کے) راویوں، گواہوں اور صدقات و اوقاف، یتیم بچوں وغیرہ پر مامور اشخاص کی جرح کا تعلق ہے تو بوقت ضرورت یہ واجب ہوتی ہے اور ان کی پردہ پوشی ناجائز ہو جاتی ہے، جب ان میں ایسے امور دیکھے جائیں جو ان کی اہلیت کو متاثر کرتے ہوں۔ یہ وہ غیبت نہیں جو حرام ہو بلکہ یہ خیر خواہی ہے جو واجب ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔[2]

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب بشارة من ستر الله تعالى عليه في الدنيا، بأن يستر عليه في الآخرة، حديث: 2590

[2] صحيح مسلم، بشرح النووي: 35/16

تلاش حق سیریز

تلاشِ حق میں سرگرداں لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے
انتہائی مستند، جامع اور دل پذیر کتابوں کا سیٹ، اردو میں پہلی بار

خود پڑھیے اور دوسروں کو پڑھائیے!

* توحید اور ہم
* رحمتِ عالم ﷺ
* قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے
* اسلام کی امتیازی خوبیاں
* اسلام کے بنیادی عقائد
* اسلام میں بنیادی حقوق
* اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات
* اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب
* اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں؟
* میں توبہ تو کرنا چاہتا ہوں لیکن!
* جنت میں داخلہ، دوزخ سے نجات



راہ حق سیریز

مسلمانوں کی عملی زندگی میں مسنون انقلاب برپا کرنے والی کتب کا دعوتی، مستند اور جامع سیٹ

خود پڑھیے اور دوسروں کو ہدیہ دیجیے!

* ترجمہ و تفسیر تیسواں پارہ
* تجلیات نبوت
* ارکانِ اسلام و ایمان
* مسنون نماز اور روزمرہ کی دعائیں
* اسلام کے احکام و آداب
* فکر و عقیدہ کی گمراہیاں اور صراطِ مستقیم کے تقاضے
* اسلامی آدابِ معاشرت
* حقوق و فرائض
* انسان...... اپنی صفات کے آئینے میں
* دعوتِ حق کے تقاضے
* لباس اور پردہ



دعوتِ حق کے تقاضے

دعوت حق کیا ہے؟ اس کی تفصیلات قرآن مجید کی آیات مقدسہ اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب الٰہی کا مرکزی مضمون توحید اور دعوت دین ہے جسے نبی کریم ﷺ نے اس قدر کاملیت اور جامعیت سے پیش کیا کہ آپ دینِ حق کے داعیٔ اعظم ہی کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ دعوت الی اللہ ہی وہ مقدس نصب العین ہے جسے آپ نے امت مسلمہ کے سپرد کیا ہے۔ امت مسلمہ اس دعوت حق کے تقاضوں کو کیسے جان سکتی ہے اور اس کے داعیوں میں وہ معیاری داعیانہ صفات کیسے پیدا ہو سکتی ہیں؟ اس مختصر سی کتاب کا اصلی موضوع یہی ہے۔

دعوت دین اور داعیان حق کی صفات پر ہمارے اسلاف نے بہت عظیم الشان لٹریچر تیار کیا ہے۔ یہ مختصر اور جامع کتاب اس پورے لٹریچر کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے مطالعے سے مقصد زندگی کا شعور ابھرتا اور اس کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

زیر نظر نئے ایڈیشن میں چند نئے اور مفید مباحث و بیانات کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے اس کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ دار السلام کی اس علمی، تحقیقی اور ترتیبی کاوش کو عامۃ المسلمین کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب قارئین پر زندگی کا اصلی مقصد بخوبی آشکار کر دے گی۔

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک



ISBN: 9960-9822-2-X



PRINTED IN CHINA - 08